اسلام کا نظام اذکار

از

حضرت علامہ قاضی الحاج محمود حسین صدیقی



ناشر

دار العلوم الشہابیہ

رنگپورہ روڈ سیالکوٹ

ا

اسلام کا نظامِ اذکار

جس میں قرآن و سنت کے پیش کردہ اصول اور قوانین فقاہت
کی روشنی میں اس کی تشریح کی گئی ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا بتایا ہوا نظامِ اذکار ہی ایسا نظام ہے جو صحیح معنی
میں روحانی ارتقار کا ذمہ دار ہے!

از

حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد علی صاحب صدیقی

ناشر

دار العلوم الشہابیۃ

رنگ پورہ روڈ سیالکوٹ

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳

تالیف	حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی
موضوع	اذکار
عناوین	۲۲۹
آیات	۱۰۴
احادیث	۲۴۶
صفحات	۳۶۰
طابع	صاحبزادگان صاحب حاجی عبد الغنی صاحب
ناشر	دار العلوم الشہابیہ
مطبع	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت	
تاریخ اشاعت	اگست ۱۹۹۰

دریا بہ حباب اندر

اَجِیْبُوا دَاعِیَ اللّٰہِ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ اذکار میں بھٹکے ہوئے متلاشیانِ محبت و سکینت کے لیے تسکین کا سامان اور طالبانِ سنت کے لیے روح پرور پیغام ہے۔ بشرطیکہ ان کو حق کی تلاش ہو۔ اور ان کا دل خدا اور اس کی باتوں ہو کر راہ ہدایت اور روشنی کے ہوتے آفتاب نزلتے سے باغی اور جان بوجھ کر نافرمانی و سرکشی کے لیے جرئت اور جرأت کے
فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

پیش لفظ

باسمہ سبحانہ:۔

اذکار ایک ایسا موضوع ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے ہر دور میں تصانیف ہوتی رہی ہیں اور علمائے اسلام حصول سعادت کے لیے اپنے مبلغ علم کے مطابق ہمیشہ اس مقدس خدمت کو انجام دیتے ہیں اس لیے اذکار کا مستند ذخیرہ عربی زبان میں اس قدر موجود ہے کہ مجھ جیسے شخص کا اس اہم موضوع پر قلم اٹھانا بہت بڑی جرأت ہے۔

لیکن حصولِ سعادت کے شوق اور اردو زبان میں کوئی مستند ذخیرہ نہ ہونے نے مجھے اپنی کم مائگی کے باوجود اس پر آمادہ کیا اور مختصر تالیف مرتب ہوگئی۔

خواہش یہ تھی کہ اذکارِ مسنونہ کا ایک مختصر مگر مستند اصولِ فقاہت کی روشنی میں مجموعہ تیار ہوجائے جو درمیانی استعداد کے کم فرصت مگر اذکار سے شوق رکھنے والے مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہو اس مجموعہ میں موجودہ احوال و واقعات کے پیشِ نظر چند باتیں قابلِ ذکر ہیں۔

۱:۔ مسائل کے سمجھانے کے لیے قرآن و حدیث سے براہِ راست استفادہ کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک مسلمان اذکار کی اہمیت اور ان کے متشہادات کی واقعی کیفیت کا اندازہ کر سکے اور ان کے دلوں میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کے مطالب سمجھنے کا ذوقِ سلیم پیدا ہو۔

۲:۔ آغازِ کتاب میں بدعت کے موضوع پر سیر حاصل بحث صرف اِس لیے کی گئی ہے کہ مسلمانوں میں اتباعِ سُنت کے شوق اور ولولے کی پرورش

ہو اور مسلمان جانیں کہ اسلام میں اسوۂ حسنہ کی اہمیت کیا ہے!

۴۔ کتاب میں اذکار سے پہلے اذکار کے متعلق کچھ اصول و قوانین لکھے گئے ہیں جو محققین نے اپنی کتابوں میں تمام قرآن و سنت کے مطالعہ اور اس موضوع پر مزاجِ نبوت سے آشنا ہونے کے بعد اخذ کئے ہیں ۔ اس سلسلے میں میرے مطالعہ میں مشہور فقیہ شیخ ابن الہمام، امام ابو بکر الجصاص رازی، علامہ ابن عابدین الشامی محدث ملا علی قاری، حافظ ابن القیم الجوزی۔ حافظ ابن تیمیہ، علامہ شوکانی، حافظ سیوطی۔ علامہ قرطبی، علامہ ابن نجیم، علامہ شاطبی، علامہ شیخ نجیت اور اور ملا احمد رُدمی کی تصانیف رہی ہیں۔

اِس کتاب کا نقش اوّل اکتوبر ۱۹۴۰ء میں تیار ہوا تھا۔ اب اکتوبر ۱۹ء میں اس پر نظر ثانی ہوئی ہے۔





بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد ما ہو المسنون ؛ موجودہ زمانہ الحاد کی ترقی کا زمانہ ہے یعنی اس زمانہ میں روحانی جذبات سرد پڑ رہے ہیں اور خود ساختہ رجحانات آہستہ آہستہ ان کی جگہ لیتے جا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں روحانیت اور سنت کے نام سے کسی چیز کا پیش کرنا خصوصاً اس نام سے کسی نظامِ اذکار کی خوبی کا دعویٰ کرنا اور پھر اس کو نجات و سعادت کی موجودہ بدعی کشاکش میں بہترین حل بتانا بہت بڑی بلند آہنگی اور حیرت انگیز جسارت کا کام ہے، مگر قدرت نے جنہیں چشمِ بصیرت عطا فرمائی ہے اور جنہیں مشکوٰۃ نبوت کے فیضان سے حصہ وافر ملا ہے وہ آج بھی اس بدعی ہنگامے کے زہریلے اثرات یعنی سنت سے لاپروائی برتنے اس کی اثر انگیز روحانیت سے کنارہ کش ہو جانے اور غیر مسنون اذکار میں مصروف ہو جانے کو ذہنی غلامی دماغی پستی اور انسانی شرف و مجد کی گمشدگی یقین کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ موجودہ بدعی ہنگاموں اور اختراعی شورشوں میں صحیح راہِ عمل وہ ہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ رس دعوتِ اصلاح نے بتلائی ہے اور سعید و متقی ہونے ولی و عارف بننے کے لیے آج بھی وہ ہی نسخۂ کیمیا ہے جسے قرآن نے اُسوۂ حسنہ کے نام سے تعبیر کیا ہے [1]

---

[1] حاشیہ صفحہ ۱۷ پر

تاہم یہ دعویٰ چونکہ دعویٰ کی حد تک صرف ایک جانبدارانہ خوش اعتقادی پر محمول کیا جاسکتا ہے اِس لیے ضروری ہے کہ بدعی ہلچل کے اس دور میں جرأت وہمت اور صداقت واعتدال کے ساتھ دامانِ کتاب وسُنت تھام کر اسلام کے صحیح نظام اذکار کا نقشہ پیش کر دیا جائے تاکہ انصاف پسند طبیعتوں اور حق بین شیدایانِ سنت کو غور کرنے کا موقعہ ملے کہ اذکار کے موجودہ نظام ہائے بدعی میں اتقاء، واحسان اور سلوک و پرہیزگاری کی مشکلوں کو حل کرنے کے لیے کونسی راہ مفید خس و خاشاک سے پاک اور قابلِ عمل ہے۔ دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا نور اور ظلمت میں بینائی اور نابینائی میں اگر ظلمت اور نور میں برابری کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا تو بلاشبہ بدعی نظام اذکار اور مسنون نظام اذکار میں بھی کوئی ہمسری اور برابری کا تصور نہیں ہوسکتا اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ایک کی عمارت دلیل وحجت برُہان واستدلال اور یقین واذعان کی بنیادوں پر قائم ہے اور دُوسرا از سرتا پا ظن وتخمین گمان ووہم اور خیال وقیاس کی ناپائیدار اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔

هل يستوي الاعمٰى والبصير ام هل تستوي الظلمات والنور

یہیں سے اسلام کی قوت اصلاح اور ختم نبوت کی اصل علت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ اِس نے کیسے ساری صداقتوں کو ایک ایک کرکے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے اور ساتھ ہی کیسے ان تمام خرابیوں سے محفوظ بھی کر لیا جن کی ملاوٹ سے نظامِ سعادت کی رُوح حقیقت اور تاثیر عمل بالکل فناہ ہو جاتی ہے سچ فرمایا۔

---

[1] فتوح الغیب میں شاہ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں۔
اِتَّبِعْ وَلَاتَبْتَدِعْ پیروی کر ایجاد نہ کر اس میں بھی اِسی نسخہ کیمیا کی طرف ایک لطیف پیرایہ میں رہنمائی کی گئی ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
اسوہ کہتے ہیں کسی فکر کسی عمل کسی خاصہ کسی وصف کے ایک ایسے نمونے
کو جسے تم اپنے سامنے صرف اس لیے رکھو کہ اس کی ہو بہو نقل و پیروی کر دو
اور اسی کی سی باتیں اپنے اندر پیدا کرنے کی جان توڑ کوشش کر دیکھو
انسانی سعادت کے لیے محض تعلیم اس وقت تک قطعی بیکار ہے۔ جب تک
اس تعلیم کا زندہ نمونہ نہ ہو جو اثر انسانی طبیعت پر ایک نمونہ عمل کا ہوتا ہے۔
وہ صرف تعلیم سے پیدا نہیں ہو سکتا اخلاق کی کتابیں اپنی اثر انگیز باتوں سے
انسان کی آنکھوں میں نمی پیدا کر سکتی ہیں مگر اس کے دل کی کیفیتوں میں کوئی
تبدیلی پیدا نہیں کر سکتیں قانون مجرم کو جیل خانہ کی تاریک کوٹھری میں بند
کر سکتا ہے لیکن اس کو جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اس کے بالکل برعکس اگر
اگر ایک برگزیدہ انسان اپنے اندر نیکی کا ایک عملی نمونہ رکھتا ہو اور اس کی زندگی
کے اعمال راست بازی کے لیے اسوہ حسنہ کا حکم رکھتے ہوں تو وہ صرف
اپنی سیرت سے افراد ہی کی نہیں بلکہ قوموں اور امتوں کی کایا پلٹ سکتا ہے
یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے انسانی ہدایت کے لیے کتابوں اور شریعتوں
کے ساتھ انبیاء کرام کو روانہ فرمایا وہ جس دستور العمل کی طرف لوگوں کو دعوت
دیتے تھے اسی کا عملی نمونہ خود ان کی ذات گرامی ہوتی تھی۔ یہی حقیقت ہے جس
کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت بیان کیا جبکہ
ان سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال و اخلاق کے بارے
میں دریافت کیا گیا۔

کان خلقہ القرآن [1]

---

[1] اخرجہ احمد بن حنبل ومسلم وابو داؤد عن عائشۃ
وخلق الشخص ما تنشاء عنہ افعالہ بسہولۃ۔ فافعالہ واقوالہ وسائر شانہ صلعم (باقی صفحہ ۱۹ پر)

اگر تم ان کے اخلاقِ عظیمہ کو معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو قرآن کو دیکھ لو۔ یہاں حروف والفاظ ہیں وہاں پیکرِ معانی تھا۔ حقیقت ایک ہی ہے۔ جس نے ایک جگہ علم کی اور دُوسری جگہ عمل کی صورت پائی ہے۔ بہر حال انسانی ہدایت کے لیے تعلیم کے ساتھ نمونہ اور کتاب کے ساتھ سُنت کا وجود ضروری ہے اسی لیے قرآن نے اپنی تعلیم کے لیے اس کو ایک بنیادی حقیقت بتلایا ہے۔

لقد جاءکم من اللّٰہ نور وکتاب مبین

اِس آیت میں نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجودِ گرامی ہے، اور کتاب مبین قرآن ہے۔ یہ نور وہی اسوۂ حسنہ ہے اسی کو ایک مقام پر سراجاً منیراً بتایا گیا ہے اِسی وجہ سے پروردگارِ قدوس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع ہم پر فرض کیا ہے اور تمام انسانوں کی مادی واخلاقی غلامی سے ہمیں ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا کیونکہ نبی کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان زندگی بسر کر کے اِن کے سامنے ایک صحیح زندگی کا اچھا نمونہ پیش کر دے اس کی پُوری زندگی ایک ایسا نمونہ ہے جس کو اِسی لیے پیش کیا گیا کہ تمام اِنسانیت اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے جو شخص اِس نمونہ کی مطابقت میں جس قدر زیادہ بڑھا ہوا ہوگا وُہ اتنا ہی کامل اِنسان ہوگا اور جو اِس کی مطابقت کے کم از کم ناگزیر مرتبہ سے گھٹ جائیگا۔ وُہ اپنی کوتاہی کے لحاظ سے فاسق فاجر اور مغضوب ہوگا۔

جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے لفظ لفظ پر قرآن گواہ ہے۔

یہ بات کہ نبی کی نبی ہوتے ہی اطاعت کے لیے نامزدگی ہو جاتی ہے اور ان کو خاص طور پر اسی منصب کے لیے پیدا کیا جاتا ہے۔ متعدد انبیاء کے احوال سے معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں ہر نبی کی تقریر کا یہ ابتدائی فقرہ خاص طور پر نوٹ

بھتیانیہ صفحہ ۱۸) صادر عن القرآن والا [illegible] دما معھا ہی ما تطلق علیہ السنۃ ۱۲ منہ

کیا گیا ہے کہ ہر نبی کی دعوتِ توحید کے بعد دوسری پکار یہ ہوتی تھی ۔

فاتقوا الله واطیعون

قرآن میں یہ بات سب سے زیادہ واشگاف لفظوں میں کہی گئی ہے ۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله

پھر انبیاؑ کی نامزدگی چونکہ اطاعت کے لیے ہوتی ہے ۔ اس لیے وہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ غیر معمولی قابلیتوں کے مالک ہوتے ہیں ۔ ان کی فطرت بہت پاکیزہ ہوتی ہے ان کے ذہن کا سانچہ ایسا ہوتا ہے کہ اس سے جو بات نکلتی ہے ۔ سیدھی نکلتی ہے ۔ ان کے علوم کسبی نہیں ہوتے بلکہ جبلی و وہبی ہوتے ہیں ۔ وہ فطرتاً صحیح سوچتے ہیں ۔ صحیح بولتے ہیں اور صحیح عمل کرتے ہیں ان کی نفسی و روحانی قوتیں غیر معمولی ہوتی ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق قرآن میں ہے کہ

انک لعلیٰ خلق عظیم

یہ جبلی اور فطری کمالات کی طرف اشارہ ہے ۔ حق تعالیٰ اسی فطری استعداد کو ترقی دے کر فعلیت کی طرف لے جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ ان کو وہ چیز عطا کرتا ہے جسے قرآن کی زبان میں علم حکم ہدایت اور بینۃ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

قل انی علیٰ بینۃ من ربی

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کو صرف علم وحکم ہی عطا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ نبی کی خاص طور پر نگرانی ہوتی ہے ۔ اور ایسی نگرانی جو عام انسانوں کی نگرانی سے بالکل الگ ہوتی ہے ۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کو غلطیوں ، گمراہیوں اور شیطانی وساوس سے دُور رکھا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس برائیوں غلطیوں گمراہیوں اور وسوسوں کو ان سے دُور رکھا جاتا ہے ۔ خوب سمجھ لو دونوں حالتوں میں فرق ہے ۔ پہلی حالت یہ ہے کہ نبی کو گناہ سے دُور رکھا جاتا ہے ۔

اور دُوسری حالت یہ ہے کہ گناہ کو اس راستہ سے ہٹا دیا جائے جہاں سے نبی کو گزرنا ہے ۔ پہلی حالت کا نام حفاظت ہے اور دُوسری حالت کا نام عصمت ہے ۔ انبیاء کے لیے دُوسری حالت ہوتی ہے نہ کہ پہلی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّے میں تم نے یہ الفاظ بار ہا پڑھے ہوں گے ۔

لنصرف عنه السوء والفحشاء

تاکہ ہم یوسفؑ سے بُرائی اور بےحیائی کو پرے ہٹا دیں ۔

یہ دُوسری حالت ہے یعنی مقام عصمت ہے یہ نہیں فرمایا ۔

لنصرفه عن السوء والفحشاء

تاکہ ہم ہٹالیں یوسفؑ کو بُرائی اور بے حیائی سے

اگر ایسا ہوتا تو پہلی حالت ہوتی یہ حفاظت ہوتی عصمت نہ ہوتی ۔

اس مقام پر پہنچنے کے بعد خداوند قدوس بڑے اہتمام اور بڑی تحدی کے ساتھ نبی کی اطاعت کا غیر مشروط اور غیر محدود حکم دیتا ہے اور کہتا ہے ۔

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

اس آیت نے یہ بات کھول دی ہے کہ ہم رسم ورواج کے غلام نہیں عقلی قیاسات ہماری غذائے روحانی نہیں ہماری رگیں اور پٹھے ایک پاک اسوۂ حسنہ کے ساتھ وابستہ کئے گئے ہیں ۔ ہمارے گوشت وخون پر جبڑے کی جگہ اتباع نبوت کا غلاف چڑھایا گیا ہے ، ہمارے قلب کو حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک دائمی اور لازوال احساس حرکت دے رہا ہے ۔ ہم کو ہر دلفریب رسم ورواج سے کنارہ کش ہو کر سر دبانے والے قانون سے ہٹ کر ہر حیران کر دینے والے فلسفہ کو چھوڑ کر اپنی باگ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں دیدینے کا حکم دیا گیا ہے ۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما

بقضیت ویسلموا تسلیما۔
قسم تیرے پروردگار کی وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وُہ آپ کو ہر معاملہ میں حاکم نہ بنالیں پھر اپنے وہ اس فیصلہ کے اندر کبھی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور اپنے کو سراپا تسلیم بنالیں۔
خدا کی محبوبیت اِس میں نہیں کہ تم یورپ کی دلفریب تہذیب کے سامنے سر خم کر دو خدا کا پیارا اس میں نہیں کہ ایتھکس کے فلسفہ اخلاق کے گرویدہ ہو جاؤ خدا کی چاہت اس میں نہیں کہ تم اپنے رجحانات نفس اور میلانات طبع کی پیروی کرو۔ اللہ کا پیار۔ اللہ کا لاڈ۔ اللہ کی محبوبیت اس میں ہے کہ تم اپنے ہر عمل میں ہر گفتار میں ہر کردار میں خدا کے پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاکم بناؤ اور ہر بات میں ان کی پیروی کرو۔ بس یہی تصوف ہے۔ یہی طریقت و معرفت ہے یہی سلوک و احسان ہے خوب فرمایا جنید بغدادی نے !

الطرق کلها مسدودة على الخلق الا على من اقتفى اثر الرسول صلى الله علیہ والہٖ وسلم[1]

خدا تک پہنچنے کے سب ذریعے لوگوں پر بند ہیں صرف ایک راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ صرف اتباع رسول ہے۔

ذوالنون مصری فرمایا کرتے تھے۔

من علامة الحب لله تم متابعة حبیب الله فی اخلاقه وافعاله وامره وسنته[2]

ابوالقاسم نصرآبادی کا یہ مقولہ شنید نی ہے۔

اصل التصوف ملازمة الكتاب والسنة[3]

---

[1] اعتصام ج ۱ ص ۲۹ [2] ج ۱ ص ۲۹ [3] اعتصام ج ۱ ص ۸

ابراہیم بن ادہم بار بار یوں فرماتے ۔

ادعیتم حب رسول وترکتم سنتہ [1]

تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہو اور آپ کی سنت کو چھوڑتے ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بار بار یہ شعر پڑھتے تھے ۔

وخیر امور الدین ما کان سنۃ

وشر الامور المحدثات البدائع

---

[1] اعتصام ج ۱ ص ۱۷

بدعت اور اسکی خطرناک حیثیت

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ کام جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مذہب کے نام پر نہ پیش کیا گیا ہو اور اس نے ثواب و تعبد کی صورت اختیار کر لی ہو زبان نبوت نے اسے بدعت کہا ہے۔ لغت کی زبان میں بدعت کسی چیز کو بغیر نمونے کے بنا لینے کا نام ہے۔ اسی معنی میں قرآن میں بدیع السمٰوٰت والارض استعمال ہوا ہے۔ یعنی بغیر نمونے کے آسمان اور زمین کا بنانے والا عربی محاورات میں ابتدع فلان بدعة اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص ایسے طریقے کا آغاز کرتا ہے۔ جسکی اس سے پہلے مثال نہ ہوں اور جب کوئی چیز خوبصورتی میں بے مثال ہو تو اس وقت کہا جاتا ہے۔

امر بدیع

اور اسی معنی کے اعتبار سے تراویح با لجماعۃ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ ہے

نعمت البدعة

بس زبان اور لغت کے لحاظ سے ایجاد کو ابتداع اور ایجاد کردہ چیز کو بدعت اور ایجاد کرنے والے کو مبتدع کہا جاتا ہے۔

مگر علمی اور شرعی اصطلاح میں ہر وہ عمل علم اور حالت جو شرعی دلائل سے بے نیاز ہو کر پیدا کر لی جائے۔ بدعت ہے علامہ شرنبلالی نے دُرر کے حاشیہ میں اور علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق کے باب امامت میں علامہ شمنی سے یہ تعریف نقل کی ہے۔

ھی ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن

رسول اللہ من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ
او استحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما
بدعت[1] ہر وہ کام یا علم یا حالت ہے جو اس حق کے خلاف ہو جو
جناب رسول اللہ سے ملا ہے۔ شبہ کی وجہ سے یا اچھا جاننے
کی وجہ سے اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دیا جائے۔
شبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے شبہ کا مطلب یہ ہے کہ کام تو
غیر شرعی ہے مگر سانچے اور صورت کے اعتبار سے شرعی طریقوں سے
مشابہت رکھتا ہے۔ حقیقت میں شریعت کی رُوح کو پامال کر رہا ہے اسی
کا نام بدعت اضافی ہے۔ یعنی جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور کیفیت و وصف کے اعتبار سے
غیر مشروع ہو جانے والے ہیں کہ اعتقاد و علم میں اس کا آغاز اتباع ظن سے ہوتا ہے
اور عملوں میں اور حالتوں میں اس کا سرچشمہ اتباع ہوئی ہے یہی دو باتیں ہیں۔
جن میں قرآن کے نزدیک انسان کی ساری ضلالتیں ساری شقاوتیں اور ساری
خرابیاں سمٹی ہوئی ہیں۔ یہ دو باتیں قرآن کے بنیادی مباحث میں داخل ہیں
قرآن پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ انسانیت کے مرض کی اصل علتیں دو
ہی ہیں۔ اتباع ظن اور اتباع ہوئی حضرت مسیح کے بارے میں یہودیوں اور
مسیحی دنیا کی ساری گمراہیوں کا یہی سرچشمہ ہے۔
ما لھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن
اور عمل کی ساری خرابیوں کی یہی علت ہے۔
لئن اتبعت اھواءھم
مشرکین عرب کی بُت پرستی کا بھی یہی منشا ہے۔

---

[1] منہاج السنۃ میں ہے۔ البدعۃ الشرعیۃ . . . . .
ھی ما فعل بغیر دلیل شرعی

ان یتبعون الا الظن

ان کی عملی زندگی کی تباہی و بربادی کا باعث بھی یہی ہے۔

افرأیت من اتخذ الٰهه هواه

لہٰذا تمام گمراہیوں کا سرچشمہ اتباع ظن اور اتباع ہویٰ ہے۔

اتباع ظن یہ ہے کہ ایمان و اعتقاد کی بنیاد یقین و اذعان کی جگہ وہم و خیال پر رکھ لی جاتی ہے۔ دلیل و حجت اور برہان و استدلال سے بے نیازی برت لی جائے اور اس کی جگہ غیر یقینی باتوں اور خیالی منصوبوں پر ایمان و اعتقاد کی عمارت استوار کی جاتی ہے قرآن میں اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔

(۱) مسیح ابن مریم کے بارے میں عام یہودی دنیا معتقد تھی کہ وہ قتل کر دیئے گئے اور یہی چیز ان کے اعتقاد و ایمان کی اساس بنی ہوئی تھی یہ بات نہ صرف واقعات کے خلاف تھی بلکہ اس کی بنا سر تا سر توہمات خیالات اور گمانوں پر تھی اور یہ دین میں ایک ایسی بدعت تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے قطعاً خلاف تھی قرآن نے فکر و نظر کے اس زاویہ کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

ما لهم به من علم الا اتباع الظن

(۲) مشرکین مکہ نے عقائد میں دین ابراہیم کی اصلی رُوح مسخ کر کے من گھڑت عقیدہ ایجاد کر لیا تھا کہ خدا کے نزدیکی اور اس کے مقرب خدائی میں اقتدار و اختیار کے مالک ہیں اور اس اعتقاد کے بعد ان کی نیاز مندیوں استغاثوں اور پکاروں کا مرکز بھی مقربین ہو چکے تھے قرآن نے ان کے اِس خیال کی تردید ان لفظوں میں کی ہے۔

ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون

(۳) مشرکین مکہ نے دین ابراہیم میں اپنی خوش فہمی سے فرشتگان الٰہی کے بارے میں یہ عقیدہ تراشا لیا ہے کہ معاذاللہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں قرآن پاک نے اس کی تردید کی اور کہا۔

ما لهم به من علم ان یتبعون الا الظن

غرض اس قسم کی قرآن میں بے شمار مثالیں ہیں۔ جن سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اعتقادیات میں بدعت خوش فہمیوں جھوٹی آرزوؤں وہموں اور غلط گمانوں سے پیدا ہوتی ہے۔

اتباع ہویٰ یہ ہوتی ہے کہ اعمال وافعال کے سارے پیمانے اپنے میلان نفس رجحان طبع کے موافق بنائے جائیں کسی عمل کے جواز اور عدم جواز کے لیے الہٰی آئین اور سنت نبیؐ دستاویز نہ ہو بلکہ خود اپنی طبیعت کی پسندیدگی اپنے نفس کا رجحان اور خواہش کا میلان اس کے لیے کسوٹی ہو جائے قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک بلند ترین معیار بتایا ہے کہ۔

فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم بغیر علم ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ۔

اگر نہ مانیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے۔

اس آیت میں یہ بات کھول کر بتادی کہ جو لوگ آپ کی پیروی قبول نہیں کرتے وہ یقیناً اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے صاف صاف یہ ضابطہ معلوم ہوگیا کہ اعمال میں اگر پیغمبر کی ہدایت کے علاوہ کوئی اور چیز بطور برہان وحجت استعمال کی جائے تو اتباع ہویٰ ہے۔ ایک جگہ قرآن کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے۔

قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر

کہہ دو اللہ کی ہدایت ہی اصلی ہدایت ہے اور اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہارے پاس علم آچکا ہے تو اللہ کی دوستی اور مددگاری سے یکسر محرومی ہو جائے گی ۔

اِس آیت میں وحی و نبوّت کو الہدیٰ اور العلم کہا ہے اور اس سے باہر تمام کو اتباع ہوئی بتایا ہے دوسرے پارے کے شروع میں مسئلہ قبلہ بیان کرنے کے بعد حتماً کعبہ کے استقبال کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے بعد اِس بارے میں اہلِ کتاب کی کج روی اور کج بینی پر ماتم کر کے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے کہا ہے

ولئن اتبعت اھواء ھم من بعد ما جاءك من العلم ۔

اور اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ اس بارے میں تمہیں علم ہو چکا ہے ۔ تو یقیناً یہ بے انصافی ہو گی ۔

یہاں وحی الٰہی کے فیصلے کو العلم اور اہلِ کتاب کے خیالات آرا کو اہوا سے تعبیر کیا ہے اور بتایا ہے کہ العلم آنے کے بعد یہ قطعاً مناسب نہیں کہ اتباع و پیروی کے لیے عمل کے ان پیمانوں پر غور کیا جائے جن کی بنیاد علم و بصیرت پر نہیں بلکہ طبیعت کے میلانات اور نفس کے رجحانات پر قائم ہے ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اعمال کی ساری بدعتوں کا سرچشمہ اتباع ہوی ہے اِسی لیے اصحابِ بدعت کو اصحابِ ہوئی بھی کہا جاتا ہے ۔ رہی انہیں دنوں سے بدعتِ اضافی پیدا ہوتی ہے ثواب لینے کے ولولے اور مزدوری کی حرص و آز سے دامانِ نبی پر داغ لگا دیا جاتا ہے ۔ اس کی کتنی ہی مثالیں ہیں ۔ جن میں اُمتِ اسلامیہ مبتلا ہے ۔

الغرض بدعت نظام مذہب کا خطرناک مرض ہے اِسی میں غلط خوش اعتقادی اور جھوٹی محبت کے ولولے پرورش پاتے ہیں ۔

بدعت کی اگرچہ مختلف قسمیں اور متفرق مظاہر ہیں۔ لیکن اس کی بدترین شکل عبادات میں خلافِ سُنّت اوراد و وظائف کا پیدا ہو جانا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صاف صاف اعلان کیا ہے۔

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد [1]

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر نہیں وہ مردود ہے۔

بس میری اس نگارش کا مقصد یہی ہے کہ ناظرین کے سامنے اس بدعی ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بتایا ہوا نظامِ اذکار پیش کروں تاکہ مسنون غیر مسنون اور کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جاسکے میری یہ محنت صرف ان ٹوٹے دلوں کے لیے ہے۔ جو روحانیت کی طلب و تلاش میں موجود مبتدعانہ نظام کی دستبرد سے مایوس ہو کر حیرت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اذکار معلوم کرنے کے لیے چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور کسی مسنون و مشروع نظامِ اذکار کے بروئے کار آنے کے منتظر ہیں اور میری یہ پکار سُنّت سے ناآشنا غلط و عدوں سے مرعوب ان صالح نوجوانوں کے لیے ہے جو الحاد و بدعت کے جھوٹے مگر نظر فریب نگینوں کو جوہر و گوہر مانتے ہیں اور ان کے اس کردار کا ردّ عمل کتاب و سُنّت سے دوری میں سمجھتے ہیں

---

[1] اخرجہ البخاری و مسلم و ابو داؤد من حدیث عائشہ رضی اللہ عنھا

اذکار و علم الاذکار

اذکار ذکر کی جمع ہے لغت کی زبان میں زبان سے دِل سے اور دونوں سے
یاد کرنے کا نام ہے۔ لیکن شرعی اور نبوی اِصطلاح میں الٰہی حدود کی نگہداشت
اور تسبیحات تہلیلات تحمیدات وتعوذات استغفار اور تلاوت قرآن کے
عمل کو اذکار کہا جاتا ہے اِس لیے علم الاذکار اِس علم کا نام ہے جس میں ایسے
اذکار سے بحث کی جائے جو وحی و نبوت کے متعین کردہ ہوں اور نوامیس قدرت
کے موافق ہوں۔

اِس علم کی غرض زبان میں پاکیزگی دِل میں سکون دماغ میں طمانینت اور
رُوح میں خدا کی بندگی و نیازمندی کا صحیح اور کامل شعور پیدا کرنا ہے۔ تاکہ
دِل کسی وقت بھی غفلت و اعراض اور سہو و نسیان کی حالت کا شکار نہ ہو۔
اِسی کو اصطلاحی زبان میں اخبات کہتے ہیں۔ اخبات خبت سے نکلا ہے لغت
میں زمین کے پست اور نشیب والے حصّے کو کہتے ہیں۔ جن کے دلوں میں تواضع
وانکساری اور طمانینت و سکون ہو دماغوں میں خدا کا ڈر ہو اخلاص کیشی ان کا
نشان ہو۔ خدا کا نام آتے ہی بدن میں کپکپی ہو قرآن کی زبان میں انہیں مخبتین
کہتے ہیں۔ اخبات سکینت یقین اور طمانینت کی سب سے پہلی سیڑھی ہے
علمِ اذکار اِس معنی اور غرض کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اجتماعی
اور انفرادی ہماری بحث کا نقطۂ نظر انفرادی اذکار ہیں کیونکہ یہی اجتماعی تعمیر
کے لیے دلیل راہ ہیں۔

علمی دنیا کے مفکرین نے اِس کو موضوع بحث بنایا ہے اور اب بھی
اِس سعی کا سِلسلہ جاری ہے۔ شام کے مشہور محدث علامہ نووی کی کتاب الاذکار
امام نسائی صاحب سنن کی عمل الیوم واللیلہ علامہ جزری کی الحصن الحصین

قاضی محمد بن علی الشوکانی کی تحفۃ الذاکرین اور علامہ ابن علان کی شرح الاذکار اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اس سلسلہ میں جہاں تک صرف نظروں کا تعلق ہے ہمارے موضوع سے ان کا کچھ زیادہ لگاؤ نہیں کیونکہ ہم اس وقت کسی نظری نظام سے بحث کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم ایک ایسے نظام سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو سراپا دعوت عمل ہے اور سرتاسر انفرادی ہے۔ نظری مقدمات علمی کاوشیں فلسفی مقالات اور منطقی استدلال فوری طور پر جذبات میں ہیجان پیدا کر سکتے ہیں، لیکن عمل کی روح نہیں پھونک سکتے اور بقول امام رازی۔

لقد تاملت الطرق الكلامية والمناهج
الفلسفية فما رأيتها تشفي عليلا و تروي
غليلا و اقرب الطرق طريقة القرآن۔

النبوات صفحہ ۱۰۹

میں فلسفہ اور علم کلام کے طریقوں میں بہت کچھ تامل کیا۔ مگر ان کو ہرگز ایسا نہ پایا جو ایک مریض کو شفا بخشیں یا کسی پیاسے کو سیراب کر سکیں۔ تمام راستوں میں قریب ترین راستہ قرآن کا راستہ ہے

قرآن و سنت کی راہ کے علاوہ کوئی راہ مفید اور باعمل بنانے والی نہیں ہاں اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بناتے وقت مذاہب متعددہ کے تقابل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ عدل و انصاف کی روشنی میں یہ پتہ لگ سکے کہ کتاب و سنت کی تطبیقی جدوجہد میں کون سا نظام اذکار اپنے اندر ایسی لچک رکھتا ہے جو بنیادی اور اصولی قوانین سعادت کو محفوظ رکھ کر مادی ترقیات کے اس دور میں دینی و اخروی فلاح کے ساتھ ساتھ دنیوی مشاغل اور اکتسابی جدوجہد سے مانع نہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ کوئی نظام اذکار جو اپنے اندر کیسی

ہی دلفریبیاں رکھتا ہو۔ اس وقت تک قطعاً ناقابل عمل ہے جب تک کہ
اس کی اساس و بنیاد معلوم نہ ہو اگر صرف اٹکل کے تیروں، خیال کی نیرنگیوں اور
گمانوں کی بیہودگی سے کوئی ذکر بیان کیا جاتے یا کسی نظام اذکار کی
تدوین کی جاتے تو وہ یقیناً اس قابل نہیں کہ اس کی طرف کسی کو دعوت دی جائے
کوئی اصول نہیں کہ ہر انسان کے سامنے پیش کیا جا سکے یہ تو اتباع ظن اور
اتباع ہوئی کا بنا ہوئی دائرہ ہے۔ اس دائرہ کے مفاد سے صرف ان لوگوں کو
دلچسپی ہو سکتی ہے جو اس دائرہ میں رہتے ہیں دوسرے لوگوں کو کیا پڑی
ہے کہ ایک ایسی بات کی خدمت میں زندگی صرف کریں جو اٹکل اور گمان کی
بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے کیا اسلام کے نظام اذکار کی ساری عمارت بھی
انہیں بنیادوں پر کھڑی ہے کیا وہ بھی محض اتباع ہوئی اور اتباع ظن کا بنا یا
ہوا ایسا نظام ہے جس کی طرف کسی کو دعوت دینا مہمل ہو یقین رکھیے -
ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اسلام کے اذکار کی ساری عمارت علم و یقین اور
کشف و بصیرت دلیل و براہان اور استدلال و حجت کی بنیادوں پر کھڑی
ہے۔ ہمارے کان سن رہے ہیں کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔

ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی
بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے

ہمارا احساس گواہ ہے کہ وہ انسان کو خطاب کر رہا ہے۔ اور انسانی فلاح
کے فطری اصول کو پیش کر رہا ہے، نہیں بلکہ انسانی شرف و مجد کو ذلت و
رسوائی سے بچاتا ہے۔ بدعی ذکر کے برعکس یہ ذکر ایک تبلیغی قوت اپنے اندر
رکھتا ہے۔ اس کو حق پہنچتا ہے کہ انسانی زبان اس کا گھرانا ہو۔ خلوتیں اور جلوتیں
اس سے آراستہ ہوں اور یہی مجلسوں کی آرائش ہو یہ ہے اسلام کے نظام اذکار
کی اساس و بنیاد یہ ایک حقیقت ہے کہ علوم پیغمبر کو اولیں تقسیم میں اذکار
یا بالفاظ دیگر بقول شاہ ولی اللہ "دعوات" کو تیسرا مقام دیا گیا ہے اور یہ بھی

واقعہ ہے کہ اذکار یا دعوات سے مقصود صرف ان الفاظ کو معلوم کرنا ہے ان صیغوں کو گرفت میں لینا ہے جو مزاج جناب الہیٰ کے شایانِ شان زبان پیغمبر سے نکلے ہوں شاہصاحب فرماتے ہیں

الثالث علم الدعوات وتاویلہ یدور علی

اصلین عرفان الصیغ التی یدعی بھا

یعنی علم دعوات حقیقت میں نام ہے ان الفاظ پیغمبر کو گرفت میں لینے کا جو اس راہ میں آپ کی زبان مبارک پر آئے ہیں۔ انسان کی ساری درماندگی یہ ہے کہ وہ اپنے معیار خیال کے مطابق اللہ کو یاد کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اذکار بناتا ہے۔ حالانکہ اس کے سارے ذکر سارے وظیفے اس کے سارے ورد اس کے لیے ٹھوکریں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پہ گمراہیاں ہو جاتی ہیں وہ اپنے سوچے ہوئے اذکار میں جتنا بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی حقیقت سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جتنے ورد وظیفے اور اذکار بھی بناتا ہے۔ اپنے ادراک اور احساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور جناب باری کی بارگاہی آداب تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔

یہ بات کہ انسانی فطرت میں ایک ایسی ہستی کا اعتقاد موجود ہے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اسے یاد کرنا چاہیئے۔ یعنی فطرت کا تقاضا ہے۔ کہ وہ اسے یاد کرے وہ وجدانی طور پر مجبور ہے کہ یاد کرے لیکن جب یاد کرلیگا تو یہ یادِ انسانی تصور ہی میں ڈوب کر ہوگی۔ اس سے اُوپر جانے کا اس کے پاس ذریعہ نہ ہوگا بہر حال یاد کرنا فطرت کا تقاضا ہے۔

یاد کا یہ ولولہ انسان میں اُبلتا ہے۔ اس لیے کہ جسم کی طرح اس کی رُوح ارتقاء کے لیے بیتاب ہے اور اس روحانی ارتقاء کے لیے اسے ایک نصب العین کی ضرورت ہے اور یہ نصب العین خدا کی یاد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی ہے کائنات کی ساری مخلوق درجہ میں اس سے کمتر ہے۔

سان بلندی پر جانے کے لیے بیقرار ہے ۔ اس لیے اسے ایک ایسی یا کی
ورت ہے ۔ جو سب سے بلند تر ہو اور زیادہ سے زیادہ اسے بلندیوں کی
کھینچنے والی ہو یہ صرف اللہ کی یاد ہے ۔ یہی ہے جو اس کے لیے اڑنے
ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچا دیتی ہے جس سے بلند تر کوئی
العین نہیں ہو سکتا ۔ اسی کی طرف نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ
اشارہ کیا ہے ۔ مسند امام احمد میں ابو الدرداء کے حوالہ سے منقول ہے

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم
بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم و
ارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق
الذھب والفضۃ وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم
فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم
قالوا بلیٰ قال ذکر اللہ تعالیٰ رواہ الترمذی
قال الحاکم ابو عبد اللہ اسنادہ صحیح

حضرت ابو الدرداء کہتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و
آلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارا بہترین عمل نہ بتلاؤں ؟ جو
تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستھرا ہے اور تمہارے جنت کے
درجات میں سب سے بلند ہے اور وہ تمہارے لیے دنیا میں
سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بہتر ہے اور نیز تمہارے لیے
اس بات سے بہتر ہے کہ میدان جنگ میں دشمن سے تمہارا مقابلہ
ہو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں اور تم ان کی گردنیں کاٹو ۔ صحابہؓ نے
کہا ہاں تبلائیے ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے ۔

لیکن انسان کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھتی کہ اسے بتلادیا جائے۔
خدا کو یاد کرو

اذکروا اللہ

یا خدا کو بہت یاد کرو۔

اذکروا اللہ ذکراً کثیراً

اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے کہ خدا کو
کیسے یاد کیا جائے کن صفات سے پکارا جاتے جو بتلائے کہ ایسے یاد کرو۔
یہ کہو اور یہ نہ کہو پس اس راہ کی پہلی ٹھوکر جس طرح اس میں ہے کہ کیسے پکارے
ٹھیک ٹھیک اسی طرح دوسری ٹھوکر اس میں ہے کہ کیسے پکارے ذہن انسانی
نے جب کبھی نقشہ کھینچنا چاہا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق نقشے بنائے اور اسی
میں گمراہ ہوا۔ پیغمبر کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد یہ رہا ہے اور ہے کہ
اس راہ میں لوگوں کی رہنمائی کریں اور اذکار کا صحیح اور ٹھوس نقشہ بنائیں۔ نبی کریم
صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا نظامِ اذکار اسی لیے منصۂ وجود پر آیا ہے۔
آپ نے ایک طرف تو اذکار کے باب میں ہر طرح کے احداث و بدعت کا
دروازہ بند کر دیا اور دوسری طرف خدا کی بارگاہِ عالی کے مزاج کے مطابق
اذکار سے بھی ہمیں آشنا کر دیا نظام اذکار اس سے نہیں روکتا کہ انسان
خدا کو یاد کرے لیکن یہ یاد کیسے ہونی چاہیئے اور اس کا سانچہ کس قسم کا ہو یہاں
انسان کو ہمیشہ ٹھوکر لگی ہے وہ حسن و جمال کبریائی و کمال اور علو و عظمت
کے مطابق الفاظ کا سانچہ تیار نہیں کرتا۔ الفاظ ذکر اس لیے منضبط ہوئے تاکہ
انحراف و الحاد کی پرچھائیں بھی نہ پڑے۔ صفات کے لیے الفاظ کا جو جامۂ زبان
پیغمبر نے تجویز کیا ہے۔ وہ سرتاسر حسن سرتاسر کبریائی سرتاسر عظمت و
جلال کا جامہ ہے۔ انسانی ذہن اپنی رسائی فکر کے مطابق جو جامہ بھی اس کے لیے
تجویز کریگا۔ ادھورا، ناکمل اور ناسزا ہوگا۔

بہرحال ذکر یعنی یادِ الٰہی ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب
فطرتِ انسانی میں موجود ہے اور اسی لیے نظام کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرتا ہے
اگر اس سے روگردانی کی جاتی تو غیر فطری بات ہوتی اور انسان کی وجدانی پیاس
کبھی نہ بجھتی۔ اذکار فطرت انسانی کی پکار کا جواب ہیں۔ اس فطری مطالبہ کو
نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پورا کیا اور یہ تکمیل ایسی ہوئی کہ اذکار
کے الفاظ تک ضبط ہو گئے۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم
کی مبارک زندگی حق تعالےٰ کی ہدایت کے تابع ہے۔ اس لیے اذکار میں
آپ کے قدم بقدم چلنا مسلمان ہونے کے لیے ناگزیر شرط ہے۔ جو شخص
اللہ کا مقبول و محبوب بندہ بننا چاہتا ہو اور بارگاہِ الٰہی میں اذکار کے ذریعے
تقریب کا طلب گار ہو اس کے لیے بغیر اس کے چارہ نہیں کہ ٹھیک ٹھیک
اذکار کی اس شاہراہ پر چلے جس کی نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے
راہنمائی فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ اگر سرمو بھی اس خط سے ہٹا تو تقریب اور محبوبیت
میں اسی انحراف کی حد تک کسر رہ جائے گی۔ اس لیے محبوبیت کے لیے
اعتصام و اتباع کے علاوہ کوئی راہ نہیں اس سے یہ بات خود بخود واضح
ہو جاتی ہے کہ مسلمان اعتصام اور اتباع کی حیثیت لے کر آئے۔ احداث و
بدعت ان کی اصلی حیثیت نہیں۔

اگر واقعہ یہی ہے کہ مسلمان کی اصل حیثیت اتباع و اعتصام کی ہے
تو وہ سارے مسائل یک قلم اڑ جاتے ہیں۔ جن کے پیچھے ہم بھاگ رہے ہیں
اور جن کی بنیاد ناخدا شناسی بلکہ خدا کی کھلم کھلا بغاوت پر رکھی گئی ہے ہمارے
سامنے تو اس حیثیت میں صرف ایک مقصد ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے
اللہ کے سوا کسی کے عابد و نیاز مند نہ ہوں۔ بندوں پر سے بندوں کی عبادت و
نیاز مندی ختم ہو جائے عبادات میں اور نیاز مندانہ اعمال میں صرف اسکی
پیروی کی جائے جس کو اللہ نے قانون دے کر صرف اسی کام کے لیے روانہ

کیا ہے اور جس کی پیروی پر ساری محبتیں ساری رحمتیں موقوف ہیں ۔

اِن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

اگر اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو ۔

اس مختصر گزارش کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ضرورت اذکار کو بیان کیا جائے اور پھر ان مبادیات کو لکھا جائے جو قرآن وسنت میں اس مسئلہ کے لیے اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی روشنی میں نظامِ اذکار کی ترتیب عمل میں آئی ہے ۔

عِلم الاذکار اور عِلم الاخلاق

چونکہ فطرت نے ہر معاملے میں انسان کے اندر ایک جذبہ ایک سادہ خواہش اور ایک کشش رکھی ہے اس لیے انسان کے دل میں یہ لگن ہے کہ وہ معبود کی حمد وثنا کرے اس کی بڑائیاں کرے اس کے آگے اپنی اور عقیدت کی نذر پیش کرے اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگے اور ہر آفت سے اس کے دامن میں پناہ لے یہی سرشت ہے جس نے انسان کو خدا کی یاد پر مجبور کیا ہے اسی تحریک پر اس نے ہمیشہ ذکر خدا کی کوئی نہ کوئی صورت بنائی ہے اور یہی وہ ضرورت ہے جس سے اذکار کی پیدائش ہوئی ہے ۔

راہِ اذکار میں انسان کی پریشانیاں

جب انسان نے خدا کی یاد کے جذبہ سے بے چین ہو کر خدا کو یاد کرنا چاہا تو اس نے اپنے فکر کی رسائی کے مطابق برتری ربوبیت خالقیت حسن وجلال اور قدرت کے مختلف مظاہر کے لیے عجیب عنوان اور انداز اختیار کیے ۔
کبھی فرشتوں کو اس کے لیے بیٹیاں بنانے کی تجویز کبھی پہاڑ، دریاؤں اور نفع ونقصان والے جانوروں پر فریفتگی کا منصوبہ کبھی جسمانیت کا خاکہ اور کبھی اسے باپ ہونے کا خراجِ عقیدت غرض اس کی نظر خدا کی یاد کے لیے اسی میں اُلجھ کر رہ گئی ۔
ان سرگردانیوں کو ختم کرنے کے لیے خدا نے انبیا روانہ کیے ۔ انبیاؑ نے منزلِ مقصود کا پتہ بتایا ۔ اور ایسا پتہ کہ اسے پانے کے بعد نہ صرف انسانی تلاش وجستجو کا تیز رفتار گھوڑا بیٹھ گیا ۔ بلکہ اس راہ کی ساری بے چینیاں بے قراریاں اور پریشانیاں یک دم ختم ہو گئیں ۔ فللہ الحمد

انبیاء کی راہنمائی میں اذکار کا جو نظام مقرر ہوا، وہ تمام مادی وجسمانی چیزوں کو ناقابلِ پرستش قرار دے کر معانی مجردہ عالمِ ملکوت اور روحانیت کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور اس بنیاد پر ایک ایسا نظام بناتا ہے جس کو مادیات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس نظام کے رگ وریشے میں جو روح کام کرتی ہے وہ اللہ واحد کی حاکمیت اس کی ربوبیت، ملوکیت اور انسان کے محکوم ومذلل ہونے کی روح ہے۔ اس کے خدوخال اور رنگ وروغن اپنے ہر جزو اور ہر پہلو میں ایک نمایاں شان رکھتے ہیں۔ اس کا سارا نقشہ دنیا کے دوسرے نقشوں سے بدلا ہوا ہے۔ اس کے ایک ایک خط میں للہیت کارفرما ہے اس کی ہر چیز میں اول سے آخر تک ایک خاص نقطہ نظر اور ایک خاص روحانی جذبہ کارفرما ہے۔

وہ اپنے ہر جز میں جسم سے آگے روحانی ارتقاء کا علمبردار ہے وہ جذبات کی کشمکش میں انسان کے سامنے ایک اصلاحی دستور پیش کرتا ہے وہ روح کو رذائل کی آلودگیوں سے بچانے کے لیے عملی دوا آئیں تجویز کرتا ہے وہ غفلتوں، سرشاریوں بھول چوک اور سہو ونسیان میں انسانی روح کی تربیت کے لیے ایسا لطیف طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں بیک وقت انسان حالی و قالی کا پیکر بن جاتا ہے۔ زبان بولتی ہے اور اعضاء کام کرتے ہیں۔ اس کا اصل مقصد صالحین کی ایک ایسی جماعت بنانا ہے۔ جو انسانی تمدن کو نیکی اور تقوٰی کی بنیادوں پر تعمیر کرے مگر اس غرض کے لیے وہ صرف اجتماعی اصول وضع کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ساتھ ہی اپنے جماعتی نظام کے لیے افراد کو تیار کرنے کا بھی انتظام کرتا ہے۔ تاکہ جماعت جن افراد پر مشتمل ہو، ان میں کا ایک ایک شخص اپنے خیالات اپنی سیرت اور اپنے کردار میں ماسوٰی حالت میں رہ کر لاہوتی رنگ میں رنگین ہو اور اس کی لوح زندگی پر خدائی رنگ چڑھا ہو اسی اصلاحی دستور کا نام زبان نبوت میں احسان ہے۔ احسان کا سیدھے

سادھے لفظوں میں حاصل یہ ہے کہ باغیانہ میلانات کے ساتھ مجبورانہ اطاعت کرنے کے بجائے اپنے نفس و روح کی پوری آمادگی اپنے دماغ کے مخلصانہ عقیدے اپنے ارادے کی پوری خوشنودی اور اپنے دل کی پوری سکینت کے ساتھ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کی طرح اللہ کے قانون کی پیروی کرے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك ۔

احسان یہ ہے کہ خدا کی اس طرح عبادت کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ تجھے یقیناً دیکھ رہا ہے۔

یہاں تک پہنچنے کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ انسان کے سامنے اصل نصب العین پیش کر دیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس راہ کی ان مشکلات کو واضح کر دیا جائے جو اس راہ میں چلنے والے کے دامن میں کانٹے بن کر اُلجھ جاتی ہیں۔ اور مشق و تمرین کے ذریعہ سے اس راہ کے سوار کو اتنا چست کر دیا جائے کہ وہ احسان کی سواری پر جم کر بیٹھے ارادہ کی باگیں مضبوطی کے ساتھ تھامے اس راہ تک پہنچنے میں جتنے کانٹے اُلجھتے ہیں وہ بقول حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ شمار میں تین ہیں۔ طبیعت کا کانٹا رسم و رواج کا کانٹا اور جہالت کا کانٹا۔ حیوانی زندگی میں یہ تین کانٹے اصل و بنیاد کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی تین کانٹے حیوانی خواہشات کا مبدء اور حیوانی اعمال کے محرک ہیں اور یہ اتنے طاقتور ہیں کہ انسان جو کچھ کرتا ہے انہیں کے زور سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔

طبیعت کا کانٹا یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کی طرف میلان، ہر چیز کی خواہش اور چاہت جاگزین ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے لیے غذا ہی نہیں مانگتی بلکہ اچھی غذا مانگتی ہے۔ طرح طرح کی مزے دار غذائیں مانگتی ہے۔ غذائی مواد

کی نئی ترکیبوں کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبے میں اتنی شاخیں نکلتی چلی جاتی ہیں کہ اِسے پورا کرنے کے لیے ایک دُنیا کی دنیا درکار ہوتی ہے اور بقائے نوع کے لیے عورتوں کا اتصال ہی نہیں چاہتی بلکہ اِس میں ہزار نزاکتیں اور باریکیاں پیدا کرتی ہے۔ تنوع و نیرنگی چاہتی ہے۔ حسن چاہتی ہے۔ آرائش کے بے شمار سامان چاہتی ہے۔ طرب انگیز سماں اور لذت انگیز ماحول چاہتی ہے۔ بس چاہتی ہے اور بہت کچھ چاہتی ہے کہ اس کا سلسلہ کہیں رکتا ہی نہیں اس کانٹے کے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان طبیعت پر قابو یافتہ ہو کر اس کی خواہشات کے پیچھے خود نہ چلے بلکہ خدا اور رسُول کے ارادے کے مطابق اسے سیدھا سیدھا چلائے شارع کی جانب سے جب کوئی بات ملے یا کسی عمل کا مسنون ہونا معلوم ہو اور طبیعت کا میلان اس کے خلاف گواہی دے رہا ہو۔ طبیعت کا محبت کے لیے بنایا ہوا پیمانہ کچھ اور ہو حُبِّ خُدا کا کچھ اور طبیعت کا جھکاؤ کسی اور طرف ہو اِس وقت ارادہ کی باگوں کو تھام لینا اِس پر قابو پالینا اور ہر میلان کو نبوّت کا منقاد بنا دینا ہی کانٹا نکال دینا ہے۔

رسم و رواج کا کانٹا یہ ہے کہ زندگی کے اطوار میں کچھ باتیں کچھ طریقے انسانوں میں رائج ہیں اور جماعت کا عمل انکے ساتھ ہے اِس کانٹے کو نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مقابلے میں قومیت کے حصار نسلوں کے تعصبات رواجوں کی مضبوط چٹان کوئی چیز راہ میں رکاوٹ نہ ہو شخصی مفاد و اغراض کو بھُول جائیں۔ تمام تعصبات سے بالاتر ہو جائیں اور ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نظر ہٹا لیں۔ جن سے ہمارے حقیر دنیوی فوائد کا تعلق ہے۔ یاد رکھو جب کسی بات سے شرعی طور روکا جائے اور کہا جائے کہ ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ اِس کے جواب میں رسوم و رواج سے آڑ لینا خدا کی سب سے بڑی معصیت ہے اور قومی رواج کا وہ حصار ہے

جس کا قرآن میں جا بجا ماتم ہے یعنی :

ھذا ما وجدنا علیہ آباءنا

یہی آواز انسان اور حلاوت ایمان کے درمیان حجاب اکبر ہے اور بس یاد رکھیے : قرآن حکیم نے جہاں کہیں مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی ہے جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا ہے۔ تو ان کے پاس اس کا جواب یہی تھا۔

انا وجدنا آباءنا علی امۃ و انا علی آثارھم مقتدون

اس پر قرآن حکیم نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید غلط ہے بلکہ یہ تھا کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید گمراہی ہے۔

اولوکان آباءھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں عقل کی روشنی یا نور ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے یہی تقلید دین میں تحریف کا سبب ہے رسوم و عادات میں اس کی پیوستگی سے دین کا صاف چہرہ داغدار ہو جاتا ہے۔ دنیا طلب دینی رہنما معاشرے میں ان کو دین بنا کر پیش کرتے ہیں۔ آج بھی قبروں پر عرس ہوتے ہیں۔ روشنی گانا بجانا ہوتا ہے۔ ریوڑی، گٹا، حلوا چڑھتا ہے۔ نوبت نقارے بجتے ہیں۔ نذر نیاز کا روپیہ آتا ہے۔ عوام کو بہلانے کے لیے ادھر ادھر کے من گھڑت قصے، کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ قدم قدم پر بیاہ شادی موت اور غمی میں رسوم و رواج کی پابندی ہوتی ہے۔ جیسے مذہب کے نام پر یہ رسمیں ہمارے معاشرے میں پیوست ہو چکی ہیں۔ ایسے ہی یہودیوں میں پیوست تھیں۔ ان رسوم پرستی کے لیے آج بھی تقلید کے سوا ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کل ان کے پاس بھی دین کے نام پر ان بجا دی رسموں کے لئے کوئی دلیل نہ تھی جیسے ہم ہر کہ دمہ کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور نہیں

پوچھئے کہ دینداری کی اس ملمع کاری کے لیے سند کیا ہے ؟ رسوم پرستی کے اسی تماشہ کو شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں اور مولانا شہید نے تقویۃ الایمان میں بیان فرمایا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

اگر نمونہ یہود خواہی کہ ببینی ۔۔۔ اگر تم یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے
بہ بیں علماء سوء کہ طالب دنیا ۔۔۔ ہو توان علماء سوء کو دیکھو جو طالب
باشند و خوگرفتہ تقلید ۔۔۔ دنیا ہیں اور گذشتہ بزرگوں کی تقلید
سلف و معرض از نصوص کتاب ۔۔۔ ان کی عادت ہے ، کتاب وسنت
وسنت ۔۔۔ سے روگرداں ہیں

یہی تقلید دین میں تحریف کا سبب ہے اس سے دین کی اپنی صورت بگڑ جاتی ہے ۔ لیکن امت محمدیہ جو مجتہدین کی تقلید کر رہی ہے ۔ یہ وہ تقلید نہیں ہے جس سے دین میں تحریف آتی ہے جو یہودیوں میں موجود تھی ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

هذا التقليد غير ما اتفق عليه الامة المرحومة فانهم اتفقوا على جواز التقليد للمجتهدين مع العلم ان المجتهد يخطئ ويصيب

امت مرحومہ جو مجتہدین کی تقلید کر رہی ہے یہ یہودیوں والی) تقلید نہیں ہے امت محمدؐ یہ مجتہدین کی تقلید کو بالاتفاق جائز سمجھتی ہے ۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

یہودیوں کی تقلید سرتاسر یہ تھی کہ انہوں نے ان کو تحلیل و تحریم کی پوری اجازت دے رکھی تھی ۔ لیکن مسلمان ائمہ مجتہدین کو حلال وحرام بنانے والا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے حلال وحرام بتانیوالا سمجھتے ہیں ۔ ان کو معصوم نہیں سمجھتے ۔

خوب یاد رکھئے شاہ صاحب" فرمارہے ہیں کہ یہودیوں میں جو تقلید رائج تھی۔ ان کا نمونہ ہرگز ہرگز وہ تقلید نہیں ہے جو امتِ محمدیہ ائمہ اربعہ کی کر رہی ہیں۔ پھر سُن لیجئے۔

هـٰذا التقليد غير ما	امتِ مرحومہ ائمہ کی جو تقلید
اتفق عليه الامة المرحومة	کر رہی ہے۔ یہ وہ تقلید نہیں ہے

جس تقلید کو امتِ مرحومہ اختیار کئے ہوئے ہے نہ یہ یہودیوں والی تقلید ہے اور نہ مشرکین مکہ والی۔ یہ عین سعادت ہے اور وہ عین شقاوت اس کی بنیاد و ہدایت و عقل ہے اور اُس کی ضلالت و جہل۔

جہالت کا کانٹا یہ ہے کہ دامن علم و بصیرت سے خالی ہو سرمایۂ اعتقاد ظن و گمان اور وہم و خیال ہو اِس کانٹے کے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہل و کوری کی جگہ علم و بصیرت پیدا کی جائے۔

قرآن پاک نے بیک وقت دو باتوں کی مذمت کی ہے۔ اِس کی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی وجہ سے کسی بات کو ٹھکرا دیا جاتے۔ یہ وہ مشکلات ہیں جو راہ احسان میں چلنے والے کو پیش آتی ہیں۔ ان کا علاج کیا ہے۔ ان کو اپنی گرفت میں لینے کی ترکیب کیا ہے۔ ان کے منہ میں لگام دے کر ان کی راسین ہماری اِن خودی کے ہاتھ میں کیسے آسکتی ہیں۔ جو خدا پر ایمان لائی ہے۔ اور اِس کے بتلائے راستہ پر چلنے کا عزم کر چکی ہے۔

ایمان کے بعد پستیوں میں گرنے سے بچانے کے لیے صرف یہی کافی نہیں۔ کہ راہ کی مشکلات بتادی جائیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ مشکلات سے محفوظ رہنے کے وسائل پیش کئے جائیں اور مشق و تمرین کا عملاً ایسا ڈھانچہ قائم کیا جائے جس سے ہر وقت حضور رہے التفات رہے اور پوری پوری توجہ رہے اور غفلت اور نسیان نہ ہونے پاتے قرآن میں اِس

کے بارے میں جا بجا اشارات پائے جاتے ہیں مثلاً

اذکر ربک اذا نسیت

اور اذکروا اللہ ذکرا کثیراً

اور الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام کی طرح اِس کے لئے بھی شب و روز کی مشق و تمرین کا ایک ایسا عملی ڈھانچہ بنا دیا ہے۔ جو خود ایک مستقل دعوت ہے۔ شارع کی زبان میں اِس عملی مشق و تمرین کو اذکار کہا جاتا ہے۔ اسلام کے مشہور فلاسفر حضرت شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں کہ

فھذا ما سن رسول اللہ صلعم فی تمرین النفس بالاتعاظ

یہ وہ طریقہ ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نفس کی عملی مشق کے لیے تجویز کیا ہے۔

زندگی میں انسان کتنے جھٹکوں سے دوچار ہوتا ہے اور کہاں کہاں دامان ایمان کو کانٹوں سے پاک رکھنا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر شیطانی وسوسے اور خواہشات نفس کے خدشے سامنے آتے ہیں۔ جھوٹ اور خیانات حرام خوری اور بدنظری کے مواقع پیش آتے ہیں۔ آہ جس کی حیوانی شہوت ناول ڈرامہ تصویر موسیقی رقص ایکٹنگ اور حسن افزائی کے وسائل ایجاد کر سکتی ہو جو تربیت کے لیے کالج کلب اور فلستان بنالیتا ہو۔ اِس کے لیے تو قدم قدم پر جھٹکے ہیں۔ اِس کے لیے یہی کافی نہیں کہ اِس کے سامنے انسانی زندگی کا نصب العین پیش کر دیا جائے بلکہ اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ عملاً مشق و تمرین کے ذریعے اِس کو ایسا جکڑ دیا جائے کہ وہ ارادے کی باگیں مضبوطی سے تھامے یہی مشق ہے۔ جو اذکار کے ذریعے کرائی جاتی ہے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں۔

اذا اجتمعت الترات لم یکن بسبیل الی النجاۃ
وقد عالج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ھذہ الترات باتم علاج وذالك ان شرع لکل
حالۃ ذکرا مناسبا لہ
جب پریشانیاں ایک سے زیادہ جمع ہوگئیں تو بچاؤ کی کوئی تدبیر
نہ تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان پریشانیوں کا علاج کیا اور پورا پورا کیا اس طرح کہ ہر حالت کے
لیے اس کے مناسب ایک ذکر تجویز فرما دیا۔ (حجۃ اللہ)
ان مشکلات سے بچنے کے وسائل کا نام اذکار ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ راہ
کی ان مشکلات سے بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ انسانی نوع اس کے بغیر کامل
نہیں ہو سکتی اس میں انسانیت کی فلاح کے فطری اصولوں کو سامنے رکھ
کر ایک عملی پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونے اور راستہ میں پھونک
پھونک کر قدم رکھنے کا نام ہی تقوئی ہے۔
یہ بات بار ہا سنی ہوگی کہ امیر المومنین عمر رضؓ نے ابی بن کعبؓ سے ایک
مرتبہ تقوئی کی حقیقت دریافت کی تھی۔ تو ابی ابن کعبؓ نے کہا تھا۔
ابیؓ :- اما سلکت طریقاً ذا شوك — کیا تم خار دار راہ سے نہیں گذرے
عمرؓ :- بلیٰ — ہاں
ابیؓ :- فما عملت — کیسے گزرے؟
عمرؓ :- شمرت واجتھدتُ — دامن سمیٹ لئے اور کوشش کی
ابیؓ :- فذالك التقویٰ — یہی تو تقوئی ہے۔
ان کانٹوں سے دامنِ ایمان کو بچا کر نکل جانے کا نام تقوئی ہے اور اذکار
کو تقوئی کے ساتھ اتنا لگاؤ ہے۔ جتنا دھوپ کو آفتاب کے ساتھ یا آفتاب
کو دھوپ کے ساتھ تقوئی پیدا کرنے اور احسان کا مرتبہ حاصل کرنے

میں اذکار سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ اذکار کے ذریعے جماعت کے فرد کو خدا کی حاکمیت کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری سے عملاً دستبردار ہو جانے کے لیے تیار کیا جائے تاآنکہ پوری زندگی کو الٰہی قانون کے تابع کر دے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

وروح الذکر الحضور والاستغراق فی الالتفات الی الجبروت۔

۲۔ ہر فرد کے دماغ میں خدا کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے اور آخرت کی باز پرس کا عقیدہ شب وروز کی عملی مشق کے ذریعے اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ وہ خود بخود قانونِ الٰہی کی خفیہ اور اعلانیہ اطاعت کرے شاہ صاحبؒ نے اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

ویتدبر فی مواعظ ویستشعر الانقیاد فی احکامہ

۳۔ ہر شخص میں یہ رُوح پیدا کر دیجاتے کہ اللہ کے علاوہ ہر ایک کی بندگی و اطاعت سے اعتقاداً وعملاً منکر ہو جاتے اور اس کی بندگی اللہ کے لیے ایسی خالص ہو جاتے کہ جس حکم یا جس قانون کے لیئے اللہ کی طرف سے سند نہ ہو اس کی اطاعت کے لیے مردِ مومن کے دِل میں کوئی آمادگی نہ ہو۔ اسی کی طرف حکیم الامت نے مفاسد اخلاق بیان کرنے کے بعد ایک لطیف اشارہ کیا ہے۔[۱]

وامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمظان تلک الاخلاق فامر باذکار نفید الاخبات والتضرع

اور ان اخلاق کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور اس کے ایسے اذکار تجویز فرماتے جن سے

خدا کی جناب میں نیاز مندی اور تضرع وزاری کی رُوح بندے میں اجاگر ہو جاتی ہے۔

۴. ہر مومن کی ایسی ذہنی تربیت کی جائے کہ دنیا میں اس کا مطمعِ نگاہ قطعاً تبدیل ہو جائے۔ وہ مادہ پرست، ابن الوقت اور بندۂ مصلحت نہ ہو اس کی نگاہ میں اصلی قدر و قیمت اخلاقی و روحانی منافع کی ہو۔ شاہ صاحبؒ اذکار کی بحث میں لکھتے ہیں۔

والسر فیہ مشاھدۃ تاثیر الحق فی العالم ونفی الحول والقوۃ عن غیرہ

ذکر کا بھید یہ ہے کہ تمام دنیا میں پروردگار کی حکومت تصور کی جائے اور سب کی نفی کی جائے۔

۵. ہر فرد کی اخلاقی تربیت اس طرح کی جاتی کہ اسے اپنی خواہشات پر عملاً پورا اقتدار حاصل ہو اس میں صبر تحمل جفاکشی توکل علی اللہ ثابت قدمی اور تہذیب نفس کی ساری صفات پیدا ہو جائیں۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں

کون الذکر مظنۃ لتھذیب النفس فادار علیہ ما یترتب علی التھذیب

ذکر ہی تہذیب نفس اور طہارت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس پر وہ تمام احکام نافذ ہیں۔ جو تہذیب نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہی وہ مقاصد ہیں اور یہی وہ اسباب ہیں جن کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں نظامِ اذکار کی طرح ڈالی ہے۔ مختلف پیرایوں میں فضیلتیں بیان کی ہیں اور متفرق طریقوں سے ان کی طرف رغبت دلائی ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اذکار سے تمام افراد میں وہ امتیاز پیدا ہو جائے جو ان سے پیدا کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش اور تکمیل کے لیے خود تربیت لینے والے میں ذاتی استعداد بھی ضروری ہے۔ لیکن

بجائے خود اذکار کی فطرت میں یہ خاصہ موجود ہے کہ ان سے انسان میں روحانیت زیادہ سے زیادہ اخلاص اور تقویٰ پیدا ہو اور تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی نظام اذکار تجویز نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی شخص صداقت پسندی کی نظر سے دیکھے تو اسے اعتراف کرنا پڑیگا کہ دنیا میں اذکار کا کوئی بدیع نظام ایسا نہیں ہے جس نے افراد کو تیار کرنے کا اتنا وسیع و پائیدار انتظام کیا ہو۔

اذکار کی عظمت اور انکا مقام

عارف ہروی ان صوفیا میں سے ہیں جو تصوف کو قرآن و سنت کا آئینہ دار سمجھتے ہیں۔ ذکر کے باب میں لکھتے ہیں۔

"غفلت اور نسیان سے خلاصی پالینے کا نام ذکر ہے"

غفلت کہتے ہیں کسی کام کو ارادۃً چھوڑ دینے کو اور نسیان کہی کام کے بلا ارادہ چھوٹ جانے کا نام ہے اسی لیے قرآن میں

ولاتکن من الغافلین

آیا ہے۔ یعنی غفلت اور سرشاری کو شعار نہ بناؤ

لاتکن من الناسیین

کہیں نہیں آتا۔ ذکر تین حال سے خالی نہیں ہوتا اس میں یا تعریف و توصیف ہوتی ہے یا التجا و درخواست ہوتی ہے اور یا اللہ کی معیت کا اعلان ہوتا ہے۔ اسلام کے نظام اذکار میں ان تینوں کی رعایت ہے اور اس جامعیت کے ساتھ ترتیب و تشکیل ہوتی ہے کہ ایک نقطہ اور ایک شوشہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا حافظ ابن القیم لکھتے ہیں۔

والاذکار النبویۃ تجمع الانواع الثلاثۃ

نظام اذکار جن مقاصد کے لیے قائم کیا گیا ہے ان کی توضیح اس سے پہلے صفحات میں کی جا چکی ہے۔ لیکن اس کی عظمت کا لوگ اس وقت تک

صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں جب تک کھول کر بیان نہ کر دیا جائے کہ اس سے شارع اسلام کا مقصود کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ نظامِ اذکار دنیا تے بدعت میں ایک ایسا انقلابی تصور ہے۔ جو زہد و اتقا کی نظم و ترتیب اور زاہدانہ زندگی کے رواجی طریقوں کو قریب قریب الٹ دینا چاہتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی فطرت اور اپنے مزاج کے مطابق ایک نئی ذہنیت، نئی ترتیب، نیا نظام اور نیا طرزِ عمل مانگتا ہے۔ میں نہیں کہتا شاہ ولی اللہ اسی کے مدعی ہیں۔

العناية الالهيــــه تقتضى !
ان يكون اللسان الجلى مائلاً !
الى اشاعة الحديث فان !
الله تعالى يقطع به حبل المذاهب
الابتداعية ولو بعد حين اوالسان
الخفى الى كسب الاحســـان !

عنایت الٰہی کا مقتضا یہ ہے کہ جلوت میں زبان ارشاد نبوت لوگوں تک پہنچائے۔ کیونکہ سُنت ہی وہ طاقت ہے جس کے ذریعے اللہ پاک بدعت کی رسّی کو کاٹے گا۔ خواہ کچھ عرصہ کے بعد اور خلوت میں زبان احسان میں مشغول رہے۔

اگرچہ عبارت مختصر ہے مگر شاہ صاحبؒ نے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو حال کے محققین صفحات میں بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ جس نظریہ کو سُن کر لوگ کانپ اُٹھتے ہیں جو شخص اس نظریہ کو زبان پر لاتا ہے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ جو بات آج منہ سے بھی نہیں نکالی جا سکتی شاہ صاحبؒ اِس کو علی رؤس الاشہاد کہہ رہے ہیں یہ ایک صاف اور واضح بات ہے کہ نظامِ اذکار بدعی نظام کو الٹ کر ایک نئی روحانی زندگی تعمیر کرنا چاہتا

ہے جس کی بنا، صرف قرآن و سُنّت ہو اور یہی ایک بات اس کی عظمت
کی سب سے بڑی دلیل ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود قرآن حکیم نے اس
کی عظمت کا اعلان کیا ہے

فاذکرونی اذکرکم

مگر اِس کے معنے صرف اتنے ہی نہیں جتنے آج تک ظاہر بین نگاہوں
نے سمجھے ہیں ۔ ان الفاظ میں معانی کا ایک سمندر ہے ۔ جی چاہتا ہے ، کہ
سینہ قرآن سے اُبلتے ہوئے سرچشمہ حیات کو خس و خاشاک سے پاک
کر کے ذکر اللہ کی وُہ حقیقت اور وہ عظمت جس سے ہمارے بدعی گھرانوں
کی دُنیا بیگانہ ہے اور جو ساری دُنیا سے دُور بدعی افکار و تصورات کے
غبار میں چھپا پڑا ہے ۔ اسے دُنیا سے مانوس کر دیا جائے اور اِس الٰہی
انعام کی برکتوں کو ہویدا کر دیا جائے ۔ مگر مباحث کی گہرائیاں اور مسافت
کی طوالت ایسی نہیں کہ تفصیل کے بغیر بیان میں آ سکیں ۔ مجبوراً اِس
وقت قلم کی باگ کو روکتا ہوں اور صرف ایک سرسری اشارہ کرتا ہوں ۔

بخاری اور مسلم میں ہے ۔
حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد گرامی ہے ۔

کہ پروردگار قدوس فرماتا ہے ۔ کہ میں اپنے بندے کے
یقین کے پاس ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے
ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میرا ذکر اپنے جی میں کرتا ہے تو میں بھی
ایسے ہی کرتا ہوں اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرتا ہے تو
میں اس سے بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں ۔

بخاری اور مسلم میں ہے ۔
حضرت ابو موسےٰؓ کہتے ہیں ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ خدا کو یاد کرنے والے اور نہ یاد کرنے کی مثال مردہ اور زندہ کی ہے۔

قرآن حکیم نے بڑی تحدی اور بلند آہنگی سے دعویٰ کیا ہے کہ

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

خدا کا ذکر اطمینان و سکون پیدا کرتا ہے۔ ذرا ٹھہر جاؤ آؤ اِس پر غور کریں۔

ذکر کی اولین خصوصیت یہ بتلائی گئی ہے کہ اِس سے اطمینان و سکون کی روحانی فضا پیدا ہو جاتی ہے اعتقاد کی ساری پریشانیاں حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں۔ ہر مسئلہ میں اور ہر بات میں اطمینان کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے۔ جو معتقدات کیلئے ضروری ہے اور جس پر ساری تحریکات کا دار و مدار ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اِسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مقصود آن است کہ نسبت بمعتقدات یقینے و اطمینانے حاصل کنند کہ ہرگز بہ تشکیک زائل نہ گردد و بایراد شبہ باطل نہ شود چہ پائے استدلال چوبیں و مستدل بے تمکین

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب مکتوبات ج ۱ صفحہ ۲۲۳

مقصد یہ ہے کہ عقائد میں ایسا یقین و اطمینان پیدا کریں کہ کسی بھی شک اندازی سے عقیدہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور شبہات کے لانے سے غلط نہ ہو۔ کیونکہ دلیل کے کوئی پاؤں نہیں اور مستدل کو کوئی قرار نہیں ہوتا۔ دیکھو! دلوں میں اطمینان اللہ کی یاد سے ہوتا ہے۔

غور کرو جس کو دل کا چین و قرار مل جائے تو پھر کونسی چیز ہے جو اُسے نہیں ملی۔ سچ یہ ہے کہ ذکر کی ساری عظمت صرف اِسی ایک بات میں

ہے اور انسانی زندگی کی سعادت کے لیے یہی سب سے بڑی بات ہے۔
جو زیادہ سے زیادہ کہی جا سکتی ہے۔ سعادت کی ساری سرگزشتوں کا
علاج اِسی ایک جملہ میں ہے۔ اطمینان و سکون اور چین قرار جونہی یہ دو باتیں
کسی انسان کو مل گئیں اُس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آ گئیں زندگی
کی جس قدر پریشانیاں ہو سکتی ہیں۔ سب کو ایک ایک کر کے دیکھو زندگی کے
ہر چبھنے والے کانٹے کو چن لو یہ کانٹا خواہ جسم میں چبھتا ہو یا دماغ ہیں دنیا میں
کھٹکتا ہو۔ یا آخرت میں سب کا علاج دل کا چین و قرار ہے۔
اگر سکون و اطمینان کی دولت مل گئی ہے۔ تو پھر کیا ہے۔ جو نہیں
ملا۔ زندگی کی ساری پریشانیاں کیا ہیں۔ یہی تا کہ
"اطمینان نہیں سکون نہیں"
اگر سکون آ جاتے چین و قرار مل جاتے تو پھر پریشانی کہاں؟ ایک قدم
اور آگے بڑھاؤ اور سوچو کہ ذکر ایک انفرادی فعل ہے لیکن سکون و اطمینان
کی تحصیل کے لیے شارع نے ذرا سی حکیمانہ تدبیر سے انفرادی عمل کی بجائے
اسے اجتماعی عمل بنا کر اِس کے فوائد و منافع کو دو بالا کر دیا ہے۔ وہ تدبیر
اتنی سی ہے کہ قوم کا لفظ زیادہ کر دیا۔ کیونکہ شارع کے پیشِ نظر جماعت
کی اخلاقی تربیت ہے۔ اس حکیمانہ تدبیر سے ذکر کے اخلاقی و روحانی منافع
میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اُس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔
اجتماعی ذکر کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اِس سے ایک قسم کی
روحانی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ رحمت و سکینت کا ایک طوفان امنڈتا
جس میں ہر فرد مستانہ وار بہتا چلا جاتا ہے۔ جماعت مل کر نیکی کر رہی
اور پاکیزہ خیالات نیک جذبات کا سیلاب آ جاتا ہے۔ جس میں بد بھی نیک
ہو جاتے ہیں۔ خواہ تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی یہی حقیقت ہے جس کی طرف
شاہ ولی اللہؒ نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں یوں اشارہ کیا ہے۔

لاشک ان اجتماع المسلمین راغبین
ذاکرین یجلب الرحمۃ والسکینۃ

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا امنگ، شوق کی حالت
میں ذکر الٰہی کے لیے جمع ہونا رحمت اور سکینت کا روحانی
ذریعہ ہے۔

اجتماعی ذکر سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ اجتماعی ذکر خیر و صلاح اور تقویٰ
وطہارت کا مجمع ہے۔ جس میں برائیاں دبتی ہیں۔ نیکیاں پھلتی ہیں جماعت
پر حبِ خیر اور خوفِ خدا کی روح چھا جاتی ہے اور پرہیزگاری کی کھیتی سرسبز
شاداب نظر آنے لگتی ہے۔ بھیڑ میں ہر شخص کو گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے
ہر شخص گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دوسرے کو گناہ
کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ظلم
سے ہاتھ رک جاتے ہیں۔ برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی
ہے۔ توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہو جاتی ہیں۔ غرض اس
زبردست تدبیر سے شارع نے ایسا کام کر دیا ہے کہ جماعت میں مجموعی
حیثیت سے سکینت کی روح از سر نو تازہ ہوتی رہتی ہے۔ اسی بنا پر آپ
نے فرمایا تھا۔

عن ابی ھریرۃؓ و ابی سعیدؓ قالا قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد
قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ
وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ
وذکرھم اللہ فیمن عندہ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جب کچھ لوگ اللہ کو یاد کرنے کے لیے بیٹھتے

ہیں قیاس کے نتیجے میں یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ فرشتے چھا جاتے ہیں رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے سکینہ اترآتی ہے اور اللہ پاک ان کو اپنے پاس ذکر کرتے ہیں۔
ایک اور حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار وکان علیھم حسرۃ

(رواہ احمد و ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب لوگ کسی مجلس سے اللہ کا ذکر کئے بغیر کھڑے ہوں تو ایسا ہے جیسے مردار گدھے سے ہٹے ہوں اور ان پر حسرت ہو۔

یہ مرلیض کا آخری امتحان ہے اور امتحان کا اسلامی معیار ہے۔ یعنی مسلمانوں کی کسی جماعت کا امتحان اگر تمہیں لینا ہو تو ان کی مجلسوں میں جاؤ اور ان کے اجتماعوں کو دیکھو اگر مجلسوں میں اور ان کے اجتماعوں میں کچھ اللہ کی یاد کچھ خدا کا ذکر کچھ نیکی کے جذبے کا ابھار نظر آتے تو سمجھو مسلمان ابھی زندہ ہیں اور اگر ان کی مجلسیں خدا کے ذکر سے خالی ہوں اور نیکی کا بازار سرد ہو۔ فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں زبانیں گالیوں میں بے لگام ہوں تو اناللہ پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مسلمان کے لیے مقدر نہیں ہے۔ یہ ہے امتحان کا اسلامی معیار اور یہ ہیں ذکر اللہ کے امتیازات امام ابن القیم ان اکابر میں سے ہیں جو ہر بات میں دامنِ کتاب وسنت تھامے رکھتے ہیں اور ہر ادا میں سنت کے پابند ہیں اور ان کا خاص مذاق یہ

ہے کہ حدیث کے نام سے ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں ۔ ذکر کے بارے
میں لکھتے ہیں۔

ومنزلة الذكر هي منزلة القوم الكبرى التي
منها يتزودون وفيها يتجرون واليها
دائما يترددون والذكر منشور الولاية
الذي من اعطيه اتصل ومن منعه عزل
وهو قوت قلوبهم الذي متى فارقها صارت
الاجساد قبوراً (مدارج السالكين)

ذکر کا مقام تو بہت اونچے لوگوں کا مقام ہے ۔ یہی ان کا زادِ راہ،
یہی ان کا سرمایۂ تجارت، یہی ان کا مطلوب ذکر ولایت کا منشور
ہے ۔ جسے یہ نصیب ہوگیا اسے وصال محبوب ہوگیا اور جو اس
سے محروم ہے وہ معزول ہے ۔ یہی دلوں کی وہ غذا ہے ، کہ
دل ان سے الگ ہوتے تو انسانی اجسام قبرستان بن کر رہ
جاتے ہیں ۔

ان تصریحات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام ذکر کے ذریعے اپنے
افراد کو فرداً فرداً ایک قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے اور پھر
انہیں جوڑ کر ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے ۔ اسلام کا عنصری مقصد
جس مدنیت صالحہ اور خلافت کو وجود میں لانا ہے اس کے اجزائے ترکیبی
ذکر اللہ کے ذریعے تیار کئے جاتے ہیں اس کے سپاہی جنرل اہلکار عہدیدار
اور وزراء اس کے معلم اور استاد اس کے قاضی اور مفتی اس کے تاجر مزدور
کارخانہ دار اور کسان اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ انکے
ذریعے وہ صالح تمدن پیدا ہو جسے خلافت کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ۔
صرف ان گھڑت افراد کو لے کر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا ایسی

خام خیالی اور خام کاری ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول بَری ہیں۔ یہ الفاظ کی کوئی خاص ترکیب اور جملوں کی کوئی خاص بناوٹ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ قرآن وسنت کے سارے زور بیان اور اس کے مبداء اصلاح کا تقاضا ہی یہ ہے قرآن وسنت کا غور سے مطالعہ کرو گے تو تمہارے سامنے بھی وہ ہی حقائق منکشف ہو جائیں گے جواب سے پہلی قرنوں میں حضرت حافظ ابن القیم اور شاہ ولی اللہ کے سامنے بے نقاب ہوتے تھا افسوس آج قرآن و سُنت نظر و فکر تدبر و غور استدلال اور فلسفیانہ اصطلاحوں کے پردے میں مستور ہو گیا کہ ہم اس کی اصلاحی دعوت کی اشاعت تو درکنار اس کا پُورا پُورا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن وسُنت سے جو بیگانگی آج ہم کو ہے اور جس تنزل میں آج ہم مبتلا ہیں اس کو دیکھتے ہوئے بشکل یقین آسکتا ہے کہ ہم میں بھی کبھی وہ تمدن رہا ہو گا جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری بلکہ ذکر اللہ پر رکھی ہو گی۔ ہر جنبش سے حق و عدل کی خدمت لی گئی ہو گی۔ یاد رکھو! صحابہ وتابعین کی ملکی اخلاقی اور علمی فتوحات کا یہ سبب نہ تھا کہ ان میں اپنے معاشی اور سیاسی مفاد کے لیے ہماری آبادی کی طرح زیاں کی تڑپ تھی یا اس مفاد کی حفاظت کے لیے وُہ مل کر زیادہ چیختے تھے اور اپنے جلسوں میں اسلام اسلامی تہذیب اور اسلامی قومیت کا نام جوش و خروش سے لیتے تھے یا پھر انہوں نے زیادہ سے زیادہ ہوائی جہاز مہیا کئے ریلیں بنائی تھیں مدرسے اور کارخانے قائم کر لیے تھے۔ اپنی عورتوں کو بے حجاب کر دیا تھا اور تہذیب تمدن اور معاشرت میں یورپ اور دُوسری حریف طاقتوں سے لگا کھانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ ان کی ملکی اخلاقی اور علمی فتوحات کا اصلی سبب یہ تھا

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم
واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایماناً

ذکر اللہ نے ان کے دلوں کو گرما رکھا تھا اور ان کی ایمانی قوتوں کو وسیع کر رکھا تھا وہ میدانِ جنگ میں جاتے تو فوجوں سے مقابلہ کرتے مگر ان کی کامیابی کا انحصار قوت کی زیادتی پر نہیں بلکہ ذکر اللہ کی فراوانی پر ہوتا ۔

اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون

عین میدانِ جنگ میں ان کو حکم ہوتا ہے ۔

اذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم

ان کا امتیازی نشان یہ تھا ۔

الذین یذکرون اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم

آج یہ ساری باتیں ہم میں مفقود ہیں ہمارے ہاں ذکر اللہ کے بازار سرد ہیں ۔ مجالس میں فسق و فجور کے آثار نمایاں ہیں ۔

فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون

اصول موضوعہ

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نظام اذکار کی اس لیے ضرورت پیش آئی ہے کہ انسان کو یاد کرنے کے بعد بھول جانے کی یا بھلا دینے کی عادت ہے پہلی صورت نسیان ہے اور دوسری غفلت ہے۔ نسیان اور غفلت سے بچاؤ کی تدبیر اذکار ہیں لیکن یہ بغیر کسی نظام کے چل نہیں سکتا تو اب اس کے لیے ایک ایسے نظام کی ضرورت پیش آتی ہے جو تمام اذکار کے لیے صحیح معنے میں جامع ہو اور لوگوں کو یہ ترغیب دیتا ہو کہ وہ ان سے قوت اور استعداد کے مطابق بہرہ اندوز ہوں دوسرے پیرائے میں یوں سمجھئے کہ وہ خدا کو یاد کرنے کے لیے ایسے قوانین بیان کرے جس سے روحانیت اور معرفت کے وسائل سے ہر انسان فائدہ اٹھا سکے اور اس کا سدِ باب کر دے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے اور طریقے کسی خاص گروہ میں سمٹ کر نہ رہ جائیں اور ایسا نہ ہو کہ اس راہ میں خود تراشی راہ پا جائے اس بنا پر حاملین کتاب و سنت نے سیرت و قرآن کے بغور مطالعہ کے بعد حسب ذیل اصول و ضوابط اذکار کے لیے متعین کیے ہیں ۔

الاصل الاول

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر مختلف پیراؤں میں ذکر اللہ آیا ہے، اور تقریباً بقول حافظ ابن القیم دس صورتیں ہیں۔

۱۔ مطلقاً یا مقیداً ذکر کا حکم ہے۔

۲۔ غفلت ونسیان سے منع کیا گیا ہے۔

۳۔ کامیابی کو دوام ذکر پر موقوف قرار دیا ہے۔

۴۔ ذاکرین کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ غفلت برتنے والوں کے خسارہ کی تصویر کھینچی ہے۔

۶۔ خدا نے اپنی یاد کو ان کی یاد کی جزا بتلایا ہے۔

۷۔ ذکر کو سب سے بڑی چیز قرار دیا ہے۔

۸۔ اعمال صالح کا خاتمہ قرار دیا ہے۔

۹۔ ذاکرین کو اولوا الالباب بتایا ہے۔

۱۰۔ ذکر کو تمام اعمال صالحہ کی روح بتلایا ہے۔

بعض مقامات پر ذکر اللہ کا مطلق حکم ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاص حالت اور خاص کیفیت متعین کر دی مثلاً حج کے موقعہ پر کہا گیا۔

فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام

یہاں ذکر اللہ کی ایک خاص حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دی یعنی مشعر حرام میں حجاج کا ذکر دو نمازوں کو جمع کر لینا ہے بعض مقامات ایسے ہیں۔ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت

بیان کی ہے اور نہ ہی قسم اُن میں کوئی قید ہے۔
اور بعض جگہیں ایسی ہیں۔ جہاں خود پروردگار نے ذکر اللہ کے ساتھ کچھ قیدوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعاً
وخیفة ودون الجھر من القول

اس میں ذکر اللہ کے ساتھ چار قیدیں ہیں۔ فی نفسک تضرع خیفہ اور دون الجھر۔ فی نفسک وہ حالت ہے جس میں جو زبان سے نکلے دل اس کو سمجھے اور دماغ میں صفات کمال کا پُورا پُورا استحضار ہو صرف زبان کا کام میں معروف ہونا اور دل کا غافل رہنا بے پرواہ ہونے کی علامت ہے کذا فی روح المعانی
تضرع اِس حالت کو کہتے ہیں۔ جس میں خشوع وخضوع ہو گڑگڑاہٹ اور عجز ونیاز ہو
خیفہ ڈر اور خوف کی حالت کو کہتے ہیں۔
دون الجھر وہ حالت ہے جس میں زبان کام کرے مگر آواز بلند نہ ہو۔
قرآن کے ان تمام مقامات میں جہاں ذکر اللہ آیا ہے۔ یہ چاروں باتیں ملحوظ ہوں گی۔ یہ آیت اذکار کے باب میں اصل واساس ہے ہر ذکر میں ضروری ہے کہ معانی کا پُورا پُورا استحضار ہو۔ گڑگڑاہٹ ہو خشیت وانابت ہو اور آواز بلند نہ ہو۔
ان قیدوں میں آخری قید دون الجھر کے بارے میں طبیعتوں کو پریشانی ہوتی ہے اس کے لیے ایک اصولی بات یاد کر لیجئے کہ
جس ذکر کے بارے میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے کہنا ثابت ہو۔ اس میں آواز کا بلند کرنا سُنت ہے۔ مثلاً عید الاضحیٰ میں

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے تکبیرات کا باآواز بلند کہنا ثابت ہے تو ان کا باآواز بلند کہنا سنت ہے۔

اور اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی ذکر کا بلند آواز سے کہنا ثابت نہ ہو اور منقول نہ ہو تو اس میں آہستگی قرآن کی اِس آیت کی وجہ سے سنت ہے اور اِس میں آواز بلند کرنا نہ صرف خلافِ سنت بنے بلکہ بدعت ہے۔

ٹھیک ٹھیک اِسی طرح اجتماعی حالت میں بھی یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ذکر کو امام ہونے کی حیثیت میں باآواز بلند کہا ہے تو دیکھا جائے کہ صحابہ بحیثیت مقتدی آپ کے ساتھ اِس جہر میں شریک ہوئے یا نہیں اگر صحابہؓ کی شرکت منقول نہ ہو۔ تو صرف امام کے لیے اس ذکر کا باآواز بلند کہنا سُنت ہے اور مقتدیوں کے لیے قرآن کے دون الجہر کی وجہ سے آہستہ کہنا سُنت اور آواز بلند کرنا بدعت ہوگا۔ مثلاً فرائض کے بعد "اللہ اکبر" اور "استغفراللہ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باآواز بلند کہنا ثابت ہے۔ لیکن صحابہ رضہ کی شرکت باآواز بلند منقول نہیں ہے۔ اس لیے ان میں صرف امام کے لیے آواز کا بلند کرنا سنت ہے اور مقتدی کے لیے آہستگی سنت ہے۔ غالباً مذہبِ اسلام کے مشہور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا وہ فیصلہ جو فقہ حنفیہ کے لیے سامانِ زینت بنا ہوا ہے۔ اِسی مشکل کا ایک معقول اور قابلِ تسلیم حل ہے اور صاحبِ فتویٰ کی باریک بینی دور اندیشی اور پیچیدہ مسائل میں بہت بڑی بلند خیالی کا پتہ دیتا ہے۔ حافظ ابن الہمامؒ ان محققین احناف میں سے ہیں۔ جن کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی کو رتبۂ اجتہاد کے مالک ہونے کا دعویٰ ہے فرماتے ہیں۔

فقال ابوحنیفۃؒ رفع الصوت بالذکر بدعۃ

يخالف الامر من قوله تعالى واذكر ربك الخ فيقتصر
على مورد الشرع (فتح القدير)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

الاصل فی الاذکار الاخفاء والجهر بدعة (فتح القدیر)

اِس تفصیل سے یہ باتیں واضح ہو گئیں۔

۱۔ اذکار میں جہر وہاں سنت ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۲۔ جن مقامات میں بلند آواز سے کہنا نہیں وہاں آہستہ سنت ہے

۳۔ نماز با جماعت میں اگر کبھی ذکر کا صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا ثابت ہو آواز بلند تو امام کے لیے صرف بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

الاصل الثانی

تمہید میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ کتاب کے ساتھ سنت کا ہونا ضروری ہے۔ ہم یہاں اس کی تھوڑی سی وضاحت کے بعد ایک اصولی حقیقت ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اپنے ہر تحقیقاتی عہد میں قرآن کو قانون اساسی تسلیم کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس قانون کا مبین مانا ہے۔ کیونکہ اسلام نے جس تمدن سے زمانہ کو روشناس کیا تھا۔ اس کی ساری عمارت قرآن حکیم کی بنیاد پر

ل علامہ سرخسیؒ نے اپنی مشہور کتاب المبسوط میں اذکار اور ادعیہ کے بارے میں آواز کے بلند کرنے اور آہستہ کہنے کے استحباب کو احناف کا مذہب قرار دیا ہو والمستحب عندنا فی الاذکار والدعاء الحنفیة الا فیما تعلق باعلانه مقصود کالاذان صفحہ ۳۶

قائم ہوئی تھی۔ اس لیے یہ قدرتی بات تھی کہ علماءِ اسلام اپنے عہد ترقی و تمدن میں قرآن کی قانونی حیثیت پر زور دیں اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لیے انتہائی کوشش کے ساتھ اس کی تعلیمات پھیلائیں۔ اور اس کے مفہوم کو عام کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو اس کا مبین ثابت کریں۔ علمائے اسلام میں علامہ شاطبی غرناطی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ قرآن ایک قانون اساسی ہے۔ سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ ہے وہ اسی دستور کے اجمال کی تفصیل ہے یا اختصار کی شرح ہے۔ یعنی سنت کی ساری تفصیلات تشریحات اسی قانون کے اردگرد گھومتی رہتی ہیں۔ یہی حقیقت ہے حضرت علیؓ کے اس فرمان کی جو عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا۔ جب کہ ان کو خوارج سے فیصلہ کے لیے روانہ کیا تھا۔

احملہم علی السنۃ فان القرآن ذو وجوہ

سُنت سے آپ کی مراد یہی تھی۔ یعنی قرآن کی عملی تفصیلات جو ظاہر ہیں اس حقیقت سے بے خبر ہیں وہ قرآن کے ساتھ حدیث کا لفظ سنتے ہیں۔ تو اس کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ سنت کی پیروی کا مطالبہ ایسا مطالبہ ہے جو قرآن کے علاوہ ایک دوسری راہ کا تعارف ہے حالانکہ سُنت کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت میں داخل ہے اور سنت علم قرآنی ہی کی ایک عملی تفسیر ہے اور اگر یہ بات روایتی اعتبار سے صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے خود منکرین وخوارج کے مقابلہ میں فرمایا تھا۔

انا القرآن الناطق

تو میں اس کی تصدیق کے لیے تیار ہوں اگرچہ حقیقت ناشناس سمجھتے ہیں کہ یہ بہت ہی بڑا دعویٰ تھا۔ لیکن اگر حضرت علیؓ نے کیا تھا تو غلط

زندگی تھا۔ اگر ان کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسوۂ حسنہ کی کامل عکس تھی اور ان کے اعمال زندگی کی روشنی سرتاسر سراج رسالت منیر سے ماخوذ تھی تو ان کا یہ اعلان ایک حقیقت کا انکشاف تھا بہرحال یہ موضوع تفصیل طلب ہے، ہم نے ایک دوسری تالیف "اسلام کا نظام شعائر" میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے یہاں مقصود یہ ہے کہ شارع اسلام قرآن کے مبین ہیں اور یہ خود قرآن کی بیان کردہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر قرآنی مباحث اور تعلیمات کا دار ومدار ہے۔

انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آپ کا یہ فریضۂ تبیین صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی تک محدود نہیں بلکہ جیسے آپ نے فریضۂ تبیین کو پیش نظر رکھ کر امت کے سامنے تعداد رکعات بیان کی ہیں ٹھیک ٹھیک اسی طرح آپ نے اذکار میں بھی اس فریضہ کو ادا کیا ہے اور اذکار کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں جس طرح نماز کے ارکان اور الفاظ متعین ہیں اور امت کے ہر فرد کی رائے سے بے نیاز ہیں اسی طرح اذکار کے الفاظ بھی متعین ہیں دعائیں مقرر ہیں وظیفے اوراد حرف بحرف لفظ بلفظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان میں کمی وبیشی کرنی شارع بننے کے مترادف ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے صاف اعلان کر دیا۔

الاذکار توقیفیۃ اذکار سرکاری ہیں

امام ابوبکر جصاص رازی حنفی نے فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی " سے یہ حکم مستنبط کیا ہے۔

یحتج بھا فیما ورد من التوقیف فی الاذکار

والقول بانه غیر جائز تغییرها ولا تبدیلها
لغیرها

یہ آیت دلیل ہے اس دعویٰ کی کہ الفاظ ذکر مسنون کاری ہیں،
اور اس بات کی کہ اذکار کا بدلنا ناجائز ہے۔

احناف کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی نے فتاوی ردمختار میں
نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر پر عدد کی زیادتی
کے بارے میں بحث کو اس فیصلہ پر ختم کر دیا ہے۔

والاوجه ان زاد لنحو شك عذرا و لتعبد فلا
لابتدراكه على الشارع وهو ممنوع۔

(رد مختار صفحہ ۳۹۰ ج ۱)

حق یہ ہے اگر کسی شک کی وجہ سے اضافہ کیا تو معذور ہے اور اگر
ثواب کے لیے تو پھر معذور نہیں کیونکہ یہ شارع کی بتائی ہوئی حد
سے آگے بڑھنا ہے اور یہ منع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء نے سلام کے بعد والی دعا اللھم انت السلام
میں والیك یرجع السلام کی زیادتی میں بے اصل ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔
ملا علی قاری نے مسند امام اعظم ابوحنیفہ رہ کی شرح میں علامہ جزری رہ کے
حوالہ سے نقل کیا ہے۔

قال شیخ مشائخنا الجزری فی التصحیح
اما ما یزید بعد قوله ومنك السلام من نحو و
الیك یرجع السلام الخ فلا اصل له عند علمائنا
الکرام

علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اللھم انت السلام والی دعا میں و
الیك یرجع السلام حیینا ربنا بالسلام الخ کے اضافہ

کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شوکانی نے اس پر نیل الاوطار میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ عدد کی زیادتی کے بارے میں ان کا یہ فیصلہ ہے۔

فینبغی ان لا یزاد فیہا علی العدد المشروع

مناسب یہی ہے کہ مقررہ عدد پر اضافہ نہ کیا جائے۔

الفاظ کی تبدیلی کے بارے میں آپ کا یہ فیصلہ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے

ھذا مسلم فی التعبد بالالفاظ لان العدول الی لفظ آخر لا یتحقق معہ الامتثال

یہ تعبد بالالفاظ میں مانا ہوا ہے۔ کیونکہ ایک لفظ چھوڑ کر دوسرا لفظ اختیار کرنے سے حکم کی بجا آوری نہ ہوگی۔

علامہ عینی نے براء بن عازب کی اس روایت پر جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء کو سونے کے وقت کی دعا بتائی تھی اور حضرت براء نے دعا کو نبی پاک صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے سامنے دہراتے وقت و نبیک کی جگہ و رسولک کہہ دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی تھی لکھتے ہیں۔

ومنھا ان الفاظ الاذکار توقیفیۃ فی تعیین اللفظ وتقدیر الثواب (صفحہ ۹۵۹ ج ۱)

ذکر کے الفاظ، خود الفاظ کی تعیین اور ثواب کی مقدار میں سرکاری ہیں۔

ان تصریحات سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اذکار کے اعداد اور الفاظ دونوں تعبدی ہیں اس تمام تفصیل سے یہ باتیں واضح ہوگئیں۔

۱۔ اذکار کے الفاظ کا خود رسول خدا سے ثابت ہونا شرط ہے۔

۲۔ آپ کے بیان فرمودہ اذکار میں الفاظ کی کمی بیشی ناجائز ہے

الاصل الثالث

پچھلی گزارشوں میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بدعت کی مختلف قسمیں اور مختلف مظاہر ہیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس کا سرچشمہ عقائد میں اتباع ظن اور عملی زندگی میں اتباع ہوئی ہے۔ اب بدعت کی مزاجی کیفیت پر ایک چلتی نظر ڈال کر اس کی کچھ شناخیں معلوم کر لیجئے۔

بدعت کے مزاج میں نزاکت اور باریکی ہے۔ یہ تنوع چاہتی ہے آرائش کے لیے بے شمار سامان چاہتی ہے روحانی پاکیزگی کی بہ نسبت افزائش حسن پر اعتماد رکھتی ہے۔ ہر وقت نظر افروز جلوؤں کی مرہون رہتی ہے۔ تاکہ دلفریبیوں کے سامان جمع رہیں۔ اور مومنوں پر اس کی خاموش چوٹ ضرب کاری کا کام دے وہ بت طناز مسجدوں، خانقاہوں اور قبروں میں تن کر چلتی ہے۔ ثواب کے دھوکے پر تیر نظر برساتی ہے اور ہنس ہنس کر ضلالت کی بجلیاں گراتی چلی جاتی ہے۔ گمراہ کرنے کے لیے دینداری کے چولے پہن کر معصوم صورت بنا کر حب رسول ؐ کا دعوئی کرتی ہے یہ گوسفندی ناصح مشفق کی طرح کبھی راہب کی صورت میں جلوہ فرما ہوتی ہے اور شیران ازلی کو سمجھاتی ہے کہ مٹھائیوں پوریوں میں زندگی بنا ڈ تا کہ ملوکیت کے نخچیر تم پر کسے جائیں متاع ایمان لوٹ کر بات نہیں کرتی دام تزویر میں پھانسنے کے لیے وہ تمام دلفریب اداؤں کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ شوخ و شنگ لگاوٹ سے رخ باطل کو ٹوپی کی اوٹ میں چھپا لیتی ہے۔ اپنے چاہنے والوں کو گدگداتی ہے کبھی روتی ہے۔ مگر اس کے تشوے ہمدردی کے آنسو نہیں ہوتے۔ بلکہ پرستاران توحید اور داعیان سنت کو فریب محبت میں مبتلا کر کے ان کی متاع ایمان پر ڈاکہ مارتی ہے۔ وہ اپنے چاہنے والوں کے

لیے صرف غذا ہی نہیں مانگتی بلکہ اچھی غذا مانگتی ہے طرح طرح کی۔ مزیدار غذائیں مانگتی ہے غذائی مواد کی نئی نئی ترکیبوں کا مطالبہ کرتی ہے لمبے لمبے چاولوں کے ترانے گاتی ہے اسے وہ عبادت بھاتی ہے جس میں شیریں تبسم کے ساتھ باطل کے نغمے ہوں جن کا اعجاز ہو اور غذاؤں کی نیرنگی ہو یہ ہے۔ مزاج بدعت اِس لیے اس کی شاخیں بیشمار ہیں مثلاً

۱۔ جن اذکار میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی وقت متعین نہیں ان میں دلچسپیوں کے لیے ثواب کی خوشگوار امید میں اوقات کو مقرر کرلیتی ہے۔

۲۔ جن اذکار میں کوئی کیفیت ثابت نہیں وہاں سنت کی سادگی اور رُوح کی پاکیزگی کو خودساختہ حسن کی زینت پر قربان کردیتی ہے۔

۳۔ حقائق اور معانی کو فراموش کرکے اعمال کی ظاہری صورتوں پر زور دیتی ہے اور واجبات ومستحبات کا عملی اور اعتقادی امتیاز ہٹا کر مستحبات پر ساری قوت صرف کرتی ہے جس سے فرائض وواجبات کی قیمت گرجاتی ہے اور پھر انہیں مستحبات سے دین ایک محسوس اور مرئی چیز بنا دیتی ہے جس کو ناپا اور تولا جاسکتا ہے۔ جب کوئی سامنے آتا ہے تو اپنے خودساختہ پیمانے سے ناپتی ہے۔ اگر وہ پیمائش میں پورا اترتا ہے تو اسے تشرع اور دین داری کا سارٹیفکیٹ دے دیتی ہے۔ پھر چاہے وہ اپنے اعمال میں خفیہ اور علانیہ قانون الٰہی کی کتنی ہی خلاف ورزیاں کرے مگر دینداری بہرحال اِس کے ساتھ چپکی ہوئی ہے۔

یہ ہیں بدعت کی وہ چند شورشیں جس سے اسوۂ حسنہ کی طمانیتیں پامال ہوجاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ۔ جہاں یہ شورشیں برپا ہوں اور جس جگہ یہ ہنگامے ہوں یہ باتیں اصولی طور پر یاد کرلینی چاہئیں جن اذکار میں شریعت مقدسہ کے ضابطے میں کسی وقت کی تعیین نہ ہو اِن میں کسی خاص وقت کا التزام

نہ کرنا چاہیئے اور کوئی ایسی خود ساختہ خصوصیت نہ پیدا کرنی چاہیئے جس سے ذکر کی مسنون صورت بگڑ جانے کا اندیشہ ہو علامہ شاطبی غرناطی نے اپنی بے نظیر کتاب الاعتصام میں اس التزام کو بدعت کی ان شور رشوں میں شمار کیا ہے ۔ جو شریعت کے مقاصد سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں فرماتے ہیں ۔

ومنها التزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذالك التعيين في الشريعة

ان ہی بدعات میں سے خاص اوقات میں ایسی عبادات معینہ کا التزام کرلینا جن کے لیے شریعت نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ۔

اور اگر یہ تعیین اس درجہ میں پہنچ جائے کہ عمل کے ساتھ عقیدہ بھی پامال ہونے لگے تو بقول علامہ قرطبی یہ اس ذکر کے حرام ہونے کی دلیل بن جائے گی ۔

ولذالك تخصيص كل عبادة بزمان او مكان ليس فيهما نص عن النبي صلى الله عليه وسلم وعده من العقائد يدل على انحرام

فقہائے حنفیہ میں سے مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق اور علامہ ابن عابدین نے رد محتار میں علامہ قرطبی کی طرح صاف صاف اعتراف کیا ہے

ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت لم يكن مشروعا مالم يرد به الشرع

جن اذکار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کیفیت اور نوعیت ثابت نہ ہو ان میں اپنی رائے سے کوئی کیفیت اور نوعیت تراش

لیناس ذکر کے ممنوع ہونے کی علامت بن جاتی ہے اور بقول علامہ شاطبی یہ اسوۂ حسنہ میں ایک خاموش تحریف ہے۔ شارع کی پیش کردہ آزادی کو اپنی رائے سے مقید کر دینے کے مترادف ہے۔ شارع کی جانب سے جس عمل میں حریت و آزادی دی گئی ہو کوئی نہیں جوان کے پیروں میں زنجیر ڈال کر کسی مخصوص کیفیت کے ساتھ خاص کرے سادہ لفظوں میں اس کا نمونہ یہ ہے۔

فاذا ندب الشرع مثلاً الی ذکر الله فالتزم
قوم الاجتماع علیہ علیٰ لسان واحد وبصوت
او فی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات
لم یکن فی ندب الشرع

جب شریعت میں ذکر اللہ کی ترغیب ہو اور لوگ اس میں ہیئت اجتماعی سے بیک زبان اور بیک آواز کا یا وقت مقررہ کا التزام کرلیں تو یہ تعین و کیفیت شریعت کے مطالبے میں داخل نہ ہو گی۔

یہ ایک نمونہ ہے یہیں سے اپنے ان اذکار کا محاسبہ کر لو جو نمازوں کے بعد کرتے ہو مستحبات پر توتوں کو ایسا صرف کرنا اور ان کی ادائیگی کا ایسا اہتمام کرنا جس سے عوام کے عقائد میں فساد پیدا ہو کر فرائض و واجبات کی قیمت گر جائے یا مستحبات خود واجبات کے ہم پلہ ہو جائیں ایک ایسا بدتر قدم ہے جس سے شارع کے مقاصد پامال ہو جاتے ہیں۔

واجبات کا عمل میں گر جانا تو درکنار اگر اہتمام و انتظام کے اعتبار سے واجب اور مستحب میں صرف برابری پیدا کر دی جائے تو بھی ناقابل برداشت ہے۔ علماء نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ مستحب کا مزاج یہ ہے۔

المندوب من حقیقۃ استقرارہ مندوبا

ان لا یسوی بینہ و بین الواجب لا فی القول
و لا فی الفعل کما لا یسوی بینہما فی الاعتقاد

مستحب کی خود مستحب ہونے کی حیثیت میں روح یہی ہے کہ
اس کے اور واجب کے درمیان برابری نہ کی جائے نہ گفتار میں
نہ کردار میں جیسا کہ ان دونوں میں بلحاظ عقیدہ برابری نہیں ہوتی۔
یہی وجہ ہے کہ فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جن صورتوں کا کسی
نماز میں پڑھنا مستحب ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن نماز صبح میں سورۃ سجدہ و سورۃ
دہر ان کا التزام مکروہ ہے اور ویسے پڑھنا مستحب ہے۔ وجہ یہ بیان کی
جاتی ہے کہ التزام کی صورت میں مستحب واجب کے ہم پلہ ہو جاتا ہے۔
اگرچہ حافظ طحاوی اور علامہ اسبیجابی نے اعتقاد کی قید لگا کر کراہت سے
بچنے کی صورت نکالی تھی یعنی یہ التزام اس وقت مکروہ ہوگا جب مستحب
کو عقیدہ میں واجب کے برابر جانے مگر حافظ ابن الہمام نے اس کو نہایت
عمدگی سے دور کر دیا فرمایا کہ مستحب کا مزاج ہی یہ ہے کہ التزام نہ ہو اس
لیے قید اعتقاد بے محل اور بے سود ہے۔

والحق ان المداومۃ مطلقا مکروہ سواء
رآہ حتما او لا

حق یہ ہے کہ ہمیشگی مطلقاً مکروہ ہے چاہے ضروری سمجھے یا نہ
یہیں سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ چونکہ اذکار تقریباً سب مستحبات
ہیں اور مستحب کا مزاج عدم التزام ہے۔ تو جس مستحب کا اہتمام شارع علیہ السلام
سے منقول نہ ہو اس میں اہتمام کرنا اور لوگوں کو بلانا اور ایسے اجتماعی
رنگ پیدا کر لینا مکروہ ہے کیونکہ مستحب واجبات و فرائض کے ہم پلہ
ہو جاتا ہے اس کو فقہاء کی اصلاح میں تداعی کہتے ہیں اور تداعی مستحبات میں اس
وقت تک جائز نہیں جب تک شارع علیہ السلام سے ثابت نہ ہو صاحب درمختار

نے نفلوں کی جماعت کو اسی بنا پر مکروہ قرار دیا ہے۔

ویکرہ ذالك علی سبیل التداعی (صفحہ ۵۲۲ ج ۱)

یہ سند لیہ کے ساتھ مکروہ ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں اس ساری الجھن کا خاتمہ کر دیا۔ مباحث کی ساری گہرائیوں پر ایک جامع نظر کے بعد فرماتے ہیں۔

فاما اتخاذ اجتماع راتب یتکرر بتکرر الاسابیع والشهور غیر الاجتماعات المشروعة فان ذالك یضاهی الاجتماعات للصلوات الخمس وذالك هو المبتدع المحدث۔

مقررہ اجتماع ہفتہ وار یا ماہانہ اجتماعات شرعیہ کے علاوہ اختیار کرنا براہ راست پنج وقتہ نمازوں کے اجتماع سے مقابلہ کرنا ہے اور یہی بدعت ہے۔

یہاں ایک آخری بات اور سن لینی چاہئیے یہ کہ علم الاصول کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذکر کسی عمل میں سنت اور بدعت کا جھگڑا پیدا ہو جائے سنت پر عمل پیرا ہونے سے بدعت کو ہاتھ لگانا پڑے یعنی جب کہ ہر چیز سے خدمت لے جا رہی ہو اور بدعات سے ان اعمال زندگی کو فروغ ہو رہا ہو جن کی بنیاد نا شریعت شناسی بلکہ شریعت سے بغاوت پر رکھی گئی ہو تو ایسی حالت میں بھی بدعات سے بچنا واجب ہے۔ سنت کے لیے بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے گا بلکہ بدعت سے بچنے کے لیے سنت کا چھوڑ دینا واجب ہو گا۔ ایسے وقت میں ہمت سے ارادہ کی مضبوطی سے اور سنت کی دھن سے دل میں ٹھان لو کہ ہزاروں پریشانیوں کے ہوتے ہوئے کسی نہ کسی طرح بدعت سے بچیں گے اور اللہ کی مخلوق کو

بچائیں گے اسلام کے مشہور مفکر علامہ شاطبی نے صرف اسی بحث پہ ایک فصل لکھی ہے اس کی ابتدائی سطروں میں ہے۔

الفعل الدائر بین کونہ سنۃ او بدعۃ اذا نہی عنہ فی باب الاشتباہ نہی عن البدعۃ فی الجملۃ

جو کام سنت اور بدعت ہونے کے درمیان گھر کر رہ جائے تو ایسے کام سے اگر مشتبہ مقامات پر روکا جائے تو بدعت سے بالآخر روکا جائے۔

فقہائے حنفیہ میں سے علامہ شامی نے علامہ ابن نجیم صاحب بحر الرائق سے حرف بحرف یہی نظریہ نقل کیا ہے۔

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ

اگر کوئی کام سنت اور بدعت کے درمیان ہو تو سنت کا چھوڑ دینا بدعت کو ہاتھ لگانے پر راجح ہوگا۔

ان تمام تصریحات سے یہ باتیں واضح ہوگئیں:

۱۔ جن اذکار میں وقت متعین نہ ہو ان کسی وقت کا التزام مکروہ ہے۔
۲۔ اذکار مطلقہ میں کیفیت کا تراش لینا مکروہ ہے۔
۳۔ مستحب کے لیے اہتمام کرنا اور دعوت دینا مکروہ ہے۔
۴۔ اگر کسی سُنت کی ادائیگی سے بدعت کرنی پڑتی ہو تو سنت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

الاصل الرابع

اذکار میں یہ اصل جلیل سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ جس طرح کسی دُعا کسی وظیفہ اور کسی ذکر کو اِس لیے کرنا یا پڑھنا سُنت ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح اذکار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ذکر کا نہ کرنا ثابت ہو جاتے یا کسی وقت میں چھوڑنا ثابت ہو جائے تو ذکر کا نہ کرنا اور چھوڑنا بھی سُنت ہے ائمہ شافعیہ میں سے قسطلانی کہتے ہیں۔

وترکہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ کما ان فعلہ سنۃ فلیس لنا ان نسوی بین فعلہ وترکہ۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا چھوڑنا بھی سُنت ہے جیسا کہ آپ کا کرنا سنت ہے۔ یہ قطعاً درست نہیں کہ ہم آپ کے فعل اور ترک میں برابری پیدا کریں۔

علامہ شاطبی غرناطی نے اِس موضوع پر اپنی کتاب الاعتصام اور الموافقات میں ایک اصُولی بحث کی ہے صاحب موصوف علمائے اسلام میں ایک ممتاز صاحب بصیرت ہیں اور ان محققین میں سے ہیں۔ جن کو اجتہاد فکر حریت رائے اور اصابت فہم نے شاہراہ عام کی تقلید پرستیوں سے الگ رکھا زمانہ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے مقابلے میں ناقدردانی کا حربہ اٹھایا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی بے نیازیوں سے اِس کے غرور و گھمنڈ کے سر کو شکست دی ہے

نار والو د بہ بازار جہاں جنس وفا
رونقے گشتم واز طالع دکاں رفتم

اس لیے بڑی ہی کوتاہی ہو گی اگر ہم اِس موقعہ پر شاطبی جیسے یگانہ روزگار کی اصُولی تحقیق کو فراموش کر جائیں آپ اپنی مشہور کتاب الموافقات یاں فرماتے ہیں۔

وما الترک فمحلہ فی الاصل غیر الماذون فیہ وھو المکروہ والممنوع فترکہ علیہ السلام

دال علی مرجوحیۃ الفعل — صفحہ ۵۹ ج ۲

ترک کا اصلی مقام ناجائز ہونا ہی ہے اور یہ مکروہ و ممنوع ہے
لہذا حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم کا کسی کام کو نہ کرنا
مرجوح ہونے کی نشانی ہے
اس کے بعد آپ نے وجوہات ترک بیان کی ہیں اور مختلف طریقوں سے
ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو چھوڑ دینا
اس کے ممنوع ہونے کی مستقل اور بالذات دلیل ہے۔ ترک کے معنے یہی
نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چھوڑنا ثابت ہو بلکہ
سبب اور داعی کے باوجود کسی ذکر کا منقول نہ ہونا اور سیرت کے سارے
دفتر میں اس کا اشارہ نہ ہونا بھی ترک کی مستقل دلیل ہے۔
اسلام کے مایۂ ناز محقق حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اس
پر ایک مبسوط مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اما نقلہم لترکہ فہو نوعان وکلاہما سنۃ
احدہما تصریحہم بانہ ترک کذا وکذا ولم
یفعلہ والثانی عدم نقلہم لما لو فعلہ لتوفرت
ہممہم ودواعیہم او اکثرہم او
واحد منہم علی نقلہ فحیث لم ینقل واحد
منہم البتۃ ولا حدث بہ فی مجمع ابداً
علم انہ لم یکن۔ (اعلام)

صحابہؓ کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام
کا ترک، نقل کرنا دو قسم کا ہے اور یہ دونوں سنت ہیں۔ ایک یہ
کہ صحابہ تصریح کر دیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ کام چھوڑا اور نہیں
کیا اور دوسرے یہ کہ باوجود اسباب کے کرنا منقول نہ ہو۔

بس چونکہ منقول نہیں ہے اور نہ کسی نے اسے بیان کیا ہے معلوم ہوا کہ یہ کام بالکل نہیں ہوا ہے۔

فقہائے حنفیہ میں سے ملا احمد رومی حنفی نے اس کو اپنے مخصوص فقیہانہ انداز میں زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور صدر اول میں کسی کام کے نہ ہونے کے اسباب پر محاکمہ کیا ہے۔

وعدم وقوع الفعل فی الصدر الاول اما لعدم الحاجة الیه اولوجود مانع اولعدم تنبه اولتکاسل اولکراهة اولعدم مشروعیة والاولان منتفیان فی العبادات البدنیة لان الحاجة فی التقرب الی الله لاتنقطع ولایظن بالنبی صلی الله علیه وسلم عدم التنبه والتکاسل فذالك سوء الظن المودی الی الکفر فلم یبق الا کونها سیئة غیر مشروعة ۔ (مجالس الابرار)

بعد صدر اول میں کسی کام کے نہ ہونے کے یہ اسباب ہو سکتے ہیں ضرورت نہ ہو۔ کوئی مانع موجود ہو۔ لوگوں کو پتہ نہ ہو۔ سستی اور کاہلی ہو۔ کراہت ہو۔ مشروع ہی نہ ہو۔ پہلی دو صورتیں عبادات میں قطعاً نہیں کیونکہ اللہ سے تقرب کی ضرورت غیر منقطع ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بے خبری اور کاہلی سے پاک ہے آپ کے بارے میں یہ سوء ظن تو کفر ہے نتیجہ یہ نکلا کہ صدر اول میں کسی کام کے نہ ہونے کا سبب صرف اس کا جائز نہ ہونا ہے اور بس۔

علامہ شیخ نجیت حنفی مفتی دیار مصریہ نے بھی اپنی کتاب احسن الکلام میں

اِس کی طرف جا بجا اشارات کئے ہیں۔ ایک مقام پر چند خلاف سُنت اوراد کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔

هو مما ترکه النبی صلی الله علیه وسلم مع قیام المقتضی لفعله فیکون ترکه سنة وفعله بدعة مذمومة شرعاً کما هو الحکم فی کل ما ترکه النبی صلی الله علیه وسلم (احسن الکلام)

یہ ان کاموں میں سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود تقاضا ہونے کے نہیں کیا لہذا اس کو نہ کرنا ہی سنت ہے اور اسے کرنا بدعت ہے۔ یہی ان تمام کاموں کا حکم ہے جن کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری تفصیلات کہہ رہی ہیں۔ کہ اسلام کے بنائے ہوئے نقشۂ اذکار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ ذکر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں اگر اذکار کو عملی جامہ پہنانے کی عمارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ زندگی پہ قائم ہے تو کسی ذکر کو نہ کرنے کا ڈھانچہ بھی آپ کے نہ کرنے اور آپ سے ثابت نہ ہونے کی بُنیاد پر کھڑا ہے۔

الاصل الخامس

دُعاؤں کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دُعا میں ہاتھ اٹھانے اِسی جگہ سنت ہیں۔ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اُٹھانے ثابت ہیں، اور جہاں جس مقام پہ ہاتھ اٹھانے

ثابت نہیں وہاں بغیر ہاتھ اٹھائے دُعا کرنا سُنت ہے، اور ہاتھ اُٹھانا خلافِ سُنت اور مکروہ ہے۔ ملا علی قاری نے شرح حصن حصین میں تصریح کی ہے کہ ہاتھ اُٹھانے وہاں مستحب ہیں جہاں فخرِ عالم سے ثابت ہوں شرح المناسک میں صاف صاف لکھا ہے۔

السنة متبعة فى الاحوال المختلفة اما ترى انه عليه السلام دعى فى الطواف ولم يرفع يديه

سنت کی مختلف احوال میں پیروی کی جائے گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور نے طواف میں دُعا مانگی اور ہاتھ نہیں اٹھائے

الاصل السادس

اذکار میں کسی ذکر پر دوام محمود ہے۔ مگر اصرار مکروہ ہے۔ دوام یہ ہے کہ ہمیشہ کیا جائے یہ شرعًا محمود ہے۔

احب العمل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى يداوم عليه صاحبه

کاموں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارا کام وہ لگتا ہے جس پر کرنے والا مداومت کرے۔

اِصرار یہ ہے کہ کسی کام پر ایسی آڑ باندھنا کہ اِس کو ضرورت کی وجہ سے چھوڑنا دشوار ہو نہ کرنے والے کو قابلِ ملامت سمجھا جاتے اور اِس کو ایسا ضروری سمجھ لیا جائے کہ مہمات کی وجہ سے بھی نہ چھوڑا جائے۔ علامہ طیبی نے اِسی حقیقت کو یُوں واضح کیا ہے۔

ان من اصرّ على امر مندوب وجعل عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه

الشیطان من الاضلال

جو شخص کسی مستحب پر اصرار کرے اور اسے عزیمت بناتے اور رخصت پر بالکل عمل نہ کرے تو اس کے اس عمل میں شیطان کا حصہ ہو جائے گا

اور فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ

مستحب مکروہ ہو جاتا ہے جب وہ اپنے مقام سے ہٹ جائے

اس سے یہ باتیں صاف ہو گئیں۔

ذکر میں دوام محمود ہے۔ جب تک دوام سے مفرت نہ ہو۔

ذکر میں اصرار مکروہ و مذموم ہے۔

یہاں تک جن بنیادی اصول کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اسلام کے بتلائے ہوئے نظام اذکار میں نظری اور عملی اصول و قواعد کے اعتبار سے یقیناً ایسی مضبوط بنیاد و اساس ہیں کہ ان میں زمانہ کے ہزاروں انقلابات نئے نئے تاثرات فرذہنی رجحانات اور نفسانی میلانات کے باوجود وسعت اور لچک تو پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک نقطہ بھی کسی رجحان اور میلان کیوجہ سے اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا یہ اصول وضوابط نظام اذکار میں آج بھی اسی طرح ہماری عملی زندگی پر حاوی ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام کے لیے اذکار میں مشعل راہ تھے اور سچ پوچھئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذکار کا جو نقشہ ان بنیادی قوانین کے مطابق بنایا ہے۔ اگر آج ٹھیک ٹھیک سوسائٹی کے عمل میں داخل ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا صحیح

اور کامل معنے میں رُوحانی نظام پیدا ہو سکتا ہے اور ایمان کا معیار وہ قائم ہو جائے گا جس کے عناصر میں اعتصام و اتباع کی رُوح کار فرما ہو تو نہ پاگل اور مجنون سندِ ولایت کے مالک رہیں اور نہ ہی شیطنت کے مجتبے۔ ایک ایسی حالت پیدا ہو جائے جو قرآن و سنت میں انسانیت کے لیے رُوحانی و اخلاقی ترقیات کیلئے ضروری ہے۔

ارتقاء روحانی اور اس کا نبوی معیار

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ نظام اذکار کی اِس عادلانہ روش نے سوسائٹی میں ایک ایسے روحانی نظام کی طرح ڈال دی ہے۔ جس سے ہر فرد فائدہ اٹھا سکے اور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

کی سعادتوں سے ہم آغوش ہو سکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت اور تقربات کا ایسا نقشہ تیار نہیں کیا جس میں دنیا سے کنارہ کشی معیشت و معاشرت سے بے اعتنائی برتنے کا کوئی سوال پیدا ہو۔

قرآن و سُنت کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سارے اختلافات کی طرح دو قوتیں ایسی چلی آئی ہیں۔ جن میں عمل کے اعتبار سے عقیدہ کی رُو سے بہت بڑا اختلاف اور بہت زیادہ تضاد ہوتا ہے، اور جب کبھی حق و باطل ایمان و کفر کا معرکہ گرم ہوتا ہے تو انہیں دو جماعتوں کی افرادیں مقابلہ میں صف آرا ہوتی ہیں۔ قرآن و سنت نے ان دونوں جماعتوں کا مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے اور ان کی نشانیاں اور علامتیں بتلائی گئی ہیں مثلاً

ایک سے زیادہ مقام پر ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے۔ جس نے اپنے دلوں کو قبولِ حق کے لیے مستعد کیا اور اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے اللہ اور اس کی صداقت کو چاہنے والی اور پیار کرنیوالی ہے۔ اس جماعت کو اولیاء اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث ولی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سئلنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ وما ترددت عن شئ انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہ مسائتہ ولابد منہ (رواہ بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی۔ میری طرف سے اس کو اعلانِ جنگ ہے میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہو اتنا حاصل نہیں کرتا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے۔ تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ

آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وُہ ہاتھ ہوجاتا
ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے
وُہ چلتا ہے۔ اب اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے گا تو میں اسے
دُوں گا اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے گا تو میں اپنی پناہ میں لے
لوں گا، اور مجھے کسی کام کے کرنے میں جو مجھے کرنا ہے اتنا تردّد
نہیں ہوتا جتنا کہ مؤمن کی رُوح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔
اسے موت پسند نہیں ہوتی اور مجھے اس کا دلگیر ہونا گوارا نہیں ہوتا
اور موت اس کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں اسلام کا اصل مقصود صالحین متقین کی ایک ایسی جماعت بنانا ہے۔ جو انسانی تمدن کو خیر و صلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرے الٰہی نظامِ حیات کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی پر نافذ کرے۔ روحانیت کو رسوم کے نرغے اور معبد کے گھیرے سے نکال کر سیاست حکومت معاشرت معیشت خانگی تعلقات انفرادی اعمال اور اجتماعی افکار و معاملات تک پھیلا دے اللہ کے بندوں پر اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہ ہو بندوں پر سے بندوں کی حاکمیت ختم ہوجائے اور حکومت اس قانونِ عدل کی قائم ہو جو اللہ نے خود بھیجا ہے۔

اِس غرض کے لیے اسلام ایک جماعت چاہتا ہے۔ جس کا ایک ایک شخص اپنے خیالات، اپنی سیرت اور اپنے کردار کے لحاظ سے اسلام کے نظامِ حیات سے بیش از بیش موافقت رکھتا ہو اور باغبانہ میلانات کے ساتھ مجبورانہ اطاعت کرنے کے بجائے اپنے نفس و رُوح کی پوری خوشنودی آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں کی پوری آمادگی اپنے دل و دماغ کے مخلصانہ عقیدے اور اپنی سیرت کی ذاتی قوت کے ساتھ اس کی پیروی کرے بس اسی جماعت کا نام اولیاء اللہ ہے اور اسی کے بارے میں قرآن کا یہ فیصلہ ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

یہ جماعت جس قدر محبت الٰہی کی سرشاریوں میں ترقی کرتی جاتی ہے
اسی قدر اس کے اعمال میں اور اخلاق میں اخلاق الٰہی اور نور ربانی کا ظہور بھی
بڑھتا رہتا ہے یہ حسن و جمال کی ایسی تصویر بن جاتی ہے کہ نامحرم کے سانس
سے ناپاک اور سورج کی کرن سے میلی ہو جاتی ہے آنکھوں میں حیا، ایمانی پیشانی
پہ سجدوں اور نیازمندیوں کا نور کمروں میں حکم پروردگار کے لیے خمیدگی
دل میں اللہ کی عظمت و جبروت ارادہ میں انابت و توبہ ہوتی ہے۔ ذکر و
دعا اور اعتصام و اتباع اس کا ہتھیار ہیں۔ وہ منہ اٹھائے راہ نہیں چلتی بلکہ
زمین پر نظر یں جمائے قدم رکھتی ہیں۔ اس کی آہستہ خرامی بناوٹ نہیں بلکہ
قدم قدم پر شیطانی وسوسے اور خواہشات نفس کے خدشے سے بچاتی ہے
وہ اندر باہر دونوں صاف رکھتی ہے جسن کی زینت پر روح کی پاکیزگی کو قربان
نہیں کرتی دینوی کاروبار کے ہنگاموں میں اللہ کی حدود اور شریعت الٰہی
کے احکام کا خیال رکھتی ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے اور پھرتے اللہ کی یاد میں مگن
رہتی ہے یہاں تک مرتبہ انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اس کی روح
میں فیضان الٰہی سے اتنی نزدیکی ہو جاتی ہے کہ زبان قدوس بول اٹھتی ہے
کہ یہ میرا بندہ ہے میری آنکھوں سے دیکھتا ہے، میرے کانوں سے سنتا
ہے۔ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے اور میرے پاؤں سے چلتا ہے اس کے
ارادے کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے دشمنی لعنتوں اور زحمتوں کا
سامان ہے۔ فی الواقع جب ایک بندہ راہ عبدیت میں گامزن ہوتا ہے، اور
فرائض ونوافل کے ذریعے نیازمندی و تذلل کے قدم اٹھاتا جاتا ہے۔ تو یہ
اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب اس کے ظاہر و باطن کو جلال الٰہی نے پورا
پورا رام کر لیا ہے۔ اگر وہ سنتا ہے۔ تو وہ ہی کچھ سنتا ہے۔ خدا نے جس
کے سننے کا حکم دیا ہے۔ اگر دیکھتا اور بولتا ہے۔ تو وہ ہی کچھ دیکھتا اور بولتا

ہے جس کی جناب الٰہی سے اس کو اجازت ملی ہے۔ اگر وُہ اپنا ہاتھ اور قدم اٹھاتا ہے۔ تو وہیں اٹھاتا ہے۔ جہاں اس کے محبوب حقیقی نے اس کے لیے اٹھانا پسند کیا ہے۔ اس کے سوا نہ وہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ اور نہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت کرتا ہے۔ اِس کا مطلب یہی ہے کہ اب یہ بندہ وادیٔ محبت کو طے کرتا ہوا اپنے مولیٰ و مالک کی رضا میں فنا کے مقام پر گامزن ہے اور مولیٰ کی جانب سے آئی ہوئی شریعت کا اِس طرح مطیع و فرمانبردار ہوچکا ہے۔ جیسے ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا نہ اِسس گھوڑے کی حس و حرکت اپنی ہے اور نہ اِس بندے کی نقل و حرکت اپنی دیکھتے ہیں۔ تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت اِسس کی حس و حرکت اس کے مالک ہی کی ہے۔ اسی طرح جب بندہ اپنے ارادے کو فنا کر دیتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا درست ہو جاتا ہے کہ اِس کی آنکھ، کان اور باقی اعضا مشیت الٰہی کا مظہر بن گئے ہیں۔

شائد ناظرین بے چین ہوں اور محسوس کریں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مگر بے چینی کیوں ہے۔ اگر تم علم و نظر کے اس فکر کو تسلیم کرتے ہو۔ کہ انسانی جسم کی ترقی اور تکمیل کے لیے دنیا میں قانون ارتقاء کام کر رہا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انسانی رُوح کی ترقی و تکمیل کے لیے کوئی قانون ارتقاء تسلیم نہیں کرتے اور کیوں انسان کی معمولی زندگی کو ادنیٰ مرتبہ سے اٹھا کر اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچنے دیتے آخر انسانی رُوح کے لیے ایسا کوئی ارتقائی سلسلہ کیوں نہیں مانتے جس سے رُوح انسانی احوال الٰہیہ سے مانوس ہو کر لاہوتی رنگ میں رنگین ہو جاتے۔

کیا تم اِسس لیے نہیں مانتے کہ یہ بات تمہاری سرحد ادراک سے بالاتر ہے یا اِس لیے کہ تمہارے پاس اس کے خلاف کوئی علم و یقین ہے یقیناً دُوسری بات نہیں پہلی بات ہے۔ مشہور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ

لکھتے ہیں۔

لیس فی الامم امۃ تنکر ذالک انکاراعاما وانما یوجد انکار ذالک فی بعضھم مثل من قد یتفلسف فینکرھم لعدم العلم لا للعلم بالعدم (النبوات صفحہ ۲۲)

دنیا کی تمام امتوں میں کوئی امت اِس کا انکار نہیں کرتی اس کا انکار کچھ فلسفہ زدہ لوگ ہیں جو کرتے ہیں۔ تو اِس لیے نہیں کہ انکے پاس اِس کے خلاف کی کوئی دلیل ہے بلکہ اس لیے کہ ان کو اس راہ کا پتہ ہی نہیں ہے۔

یاد رکھو وہ قانون ارتقاء جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا ہے بتلاتا ہے کہ ارتقاء جسمی کے بعد ایک ارتقاء روحانی کا سلسلہ ہے اور جسم انسانی کو انسان بننے کے بعد بھی بہت کچھ اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔

اللہ بلند کرے گا درجے ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان رکھتے ہیں اور بالخصوص اہل علم کے۔

یعنی ارتقاء روحانی کا سلسلہ صرف ایمان پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایمان کے بعد بھی مومن کو کچھ ترقی کرنی ہوتی ہے۔ روح کا آخری مقام یہ نہیں کہ اس کے طرح علم میں خدا کا جزم ویقین پیدا ہو جائے۔ ظاہری احکام پر چلنے لگے بلکہ اس کی پرواز اس سے آگے ہوتی ہے۔ وہ جست لگاتی ہے اور اس ناسوتی حالت میں وہ حالت پیدا کرتی ہے جس میں لاہوتی رنگ کا بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ اِسی لاہوتی بپتسمہ کا نام احسان ہے۔ یہ مغز ایمان ہے اور اس کی آخری غرض ہے اور بقول حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ

مارکیٹ میں اِس ایمان کی کوئی قیمت نہیں جس میں احسان کی آمیزش نہ ہو۔

اذا کنت مؤمنا فلا اجلك فی حال حتی تکتب
الاحسان فی ایمانك تکمل به نفسك کل التکمیل

(البدور البازغہ)

اگر تم مومن ہو تو میں تم کو اِس وقت تک صاحب حال نہیں سمجھتا جب تک تم اپنے ایمان میں احسان نہ حاصل کر لو۔ اس سے تم کو کمال پیدا ہوگا۔

اور یہاں پہنچ کر بھی ارتقاء روحانی کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا اس کے بھی کچھ مدارج ہیں اور درجات ہیں۔ ہم یہاں تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ ناظرین کے سامنے صرف حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تفہیمات الٰہیہ سے ایک مقالہ کا اجمالی اقتباس پیش کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے تصوف کی مختلف جماعتوں کے ذکر کے بعد ایک قول فیصل لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اللہ کی مرضی یہ ہے کہ جلوت میں زبانیں سُنت کی اشاعت کی طرف جھک جائیں کیونکہ خدا سنت کے ذریعے اب بدعی رجحانات کو مٹا دینے کا فیصلہ کر چکا ہے اگرچہ یہ کچھ عرصہ کے بعد وقوع پذیر ہو اور خلوت میں زبانیں کسب احسان میں مشغول ہوں یہی اِس وقت خدا کی مرضی ہے۔

گویا درہے کہ احسان و معرفت کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کام کاج والے ہوں جیسے فوجی طالب علم اور پیشہ ور طبقہ اس درجہ میں ان باتوں کو ہمیشہ نہاد بنا لیا جائے۔ زبانی اذکار مسنونہ اور صبح شام اور سوتے وقت کی دعائیں[1]

[1] حاشیہ صفحہ ۸۸ پر

تہجد کی نماز اور اِس کے بعد سورۃ ملک جتنی دُعا تہجد کے بعد ذکر اللہ فجر سے پہلے۔

آفتاب کے بلند ہونے تک ذکر اللہ کیا جائے اور پھر نماز اشراق اور چاشت ادا کی جائے۔ نمازیں اوّل وقت میں پڑھی جائیں، اور صاحب دعوت کو چاہیئے کہ ہر ہفتہ میں دو روز لوگوں کو قرآن وسُنت سنائے، اور عصر کی نماز کے بعد زوال آفتاب تک حدیث کا مطالعہ کرے۔ اس پروگرام کو چھوڑنا نہ چاہیئے۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے احسان کے دو درجے اور بیان کئے ہیں۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم تفصیل سے بیان کرتے۔

اور انہی درجات کے اعتبار سے پھر اولیاء اللہ کی مختلف منزلیں اور مختلف طبقے ہیں۔ کچھ ابرار اور اصحاب الیمین ہیں جن کا مطمح نظر تقرب بالفرائض ہوتا ہے واجبات پر عمل کرتے ہیں اور محرمات سے پورے پورے بچتے ہیں۔ ان کی ہمتیں مندوبات سے بے نیاز ہوتی ہیں، اور کچھ سابقین مقربین کی جماعت ہے۔ جو تقرب بالفرائض کے علاوہ تقرب بالنوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ واجبات اور مندوبات دونوں پر ان کا عمل ہوتا ہے، اور محرمات و مکروہات سے بچتے ہیں۔ پھر ان سابقین کے بھی مدارج ہیں۔ جن کو اولیاء اللہ کی مختلف منزلیں کہا جاتا ہے۔ جن کے لیے مشہور فیلسوف اسلام حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک صدیق، شہید، راسخ فی العلم، مفرد، متقی، عابد، زاہد، خلیفہ اور متشبہ بالملائکہ کی تعبیرات ہیں۔

گذشتہ حاشیہ لے نظام اذکار کا موضوع ہی یہ اذکار ہیں۔

ارتقاء روحانی کا بنیادی پتھر

ایمان باللہ اور خدا کی محبت اس ارتقاء روحانی کا بنیادی پتھر ہیں۔ یہی ارتقاء روحانی ہے۔ جسے قرآن حکیم نے نعمت اور انعام سے تعبیر کیا ہے۔ اس راہ میں کامیابی کی دو شرطیں ہیں۔ اخلاص اور اصابت عمل۔ اخلاص سے مقصود یہ ہے کہ ہر کام میں مقصود صرف ادا ء فرض اور اللہ کی رضا ہو غرض نفس اور ذات کی خواہشوں اور آلودگیوں کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

ومن الناس من یشوی نفسه ابتغاء مرضات اللہ

اور اصابت عمل سے مقصود یہ ہے کہ جب ارادہ و اعتقاد صحیح ہو تو اب اس کو فعل میں لانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ حق و صواب ہو، ہر طرح کی گمراہی کجروی اور کمزوری سے محفوظ ہو۔

اس بارے میں قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ تمام برکات عمل کا سرچشمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

صرف یہی دو شرطیں ہیں۔ جن کی تکمیل پر ارتقاء روحانی کی کامیابی موقوف ہے۔ کتنا ہی اخلاص نیت ہو۔ لیکن عمل کی کامیابی نہیں ہوسکتی جب تک وہ اسوہ حسنہ کے مطابق نہ ہو اسی طرح شیخ عبدالقادرؒ نے فتوح الغیب میں سالکین کو بار بار توجہ دلائی ہے۔

اتبع ولا تبتدع

اور اسی بنا پر صحابہ وسلف سے آیت لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں یہ تشریح موجود ہے۔

اذا کان العمل خالصاً ولم یکن صواباً لم یقبل

وإذا كان صوابًا ولم يكن خالصًا لم يقبل حتى يكون خالصًا صوابًا والخالص ان يكون لله والصواب ان يكون على السنة ۔

اگر عمل خالص ہو لیکن صواب نہ ہو تو مقبول نہ ہو گا اور اگر صواب ہو مگر خالص نہ ہو پھر بھی قبول نہ ہو گا ۔ عمل کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ خالص بھی ہو اور صواب بھی ہو ۔ خالص یہ کہ عمل صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو اور صواب یہ کہ سنت کے موافق ہو ۔

کوئی ایک قدم بھی چل نہیں سکتا جب تک کہ دامانِ سنت ہاتھ میں نہ ہو خدا کی کوئی ولایت کوئی پیار اور کوئی محبوبیت نہیں جو اس راہ سے گزرے بغیر ہاتھ آجائے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اس سے بے نیازی ہو اگر کوئی ناپاک اس سے بے نیازی کا دعویٰ کرتا ہے ۔ تو زندیق ہے ، اور اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہے ۔ عاصی اور عادی ہے ۔ اس کا دل گنہ گار ہے ، اور وُہ خود طاغوت ہے ۔

یہ نظریہ ارتقار کا معمولی اور اجمالی تعارف ہے ۔ یہی مقام ہے جہاں نبی اور فلاسفر میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے ۔ فلاسفر وہ سب کچھ بتلا سکتا ہے جن کا جسمانی ارتقاء سے لگاؤ ہے آگے کی زنجیر اس کی معلومات سے بالاتر ہے یہ نبی کا کام ہے یہی حقیقت ہے جس کی طرف مشہور عارف شیخ احمد سرہندی نے ایک مکتوب میں اشارہ کیا ہے ۔

چنانچہ طور عقل ورائے طور حس ہست کہ آنچہ
بحس مدرک نہ شود عقل ادراک آن مے نماید
ہم چنیں طور نبوت ورائے طور عقل ہست کہ آنچہ
بعقل مدرک نے شود بتوسل نبوت درک مے آید

وہر کہ دراتے طور عقل طریقے ازبرائے معرفت اثبات
نے نماید فی الحقیقت منکر نبوت است

امام غزالی، امام رازی، حافظ ابن القیم، حافظ ابن تیمیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے نبوت کے اس قانون ارتقار رُوحانی کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے تصریحات بیشمار ہیں اور تفصیلات کتاب و سنت میں بہت ہیں۔ مگر ان کو کھول کر بیان کرنے کے لیے ایک مستقل بحث در کار ہے۔ افسوس کہ نظام اذکار کے صفحات اس کے متحمل نہیں البتہ اس تمام تفصیل سے آپ اتنی بات ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ اولیار اللہ سے مقصود کوئی خاص اصطلاحی جماعت نہیں بلکہ ہر مومن صادق جس نے شیطانی قوتوں سے بغاوت کی ہو اور اللہ اور اس کے رسُول کے سامنے سراپا اطاعت و فرمانبرداری ہو وہ اللہ کا ولی ہے اور اس کے دوستوں میں شامل ہے۔ اسلام نے اس کے لیے عام مسلمانوں سے جُدا کوئی خاص صوُرت، خاص نسل، خاص رنگ اور خاص ہئیت کی تعیین نہیں کی اس نے ہر انسان کے لیے اپنی محبوبیت اور پیار کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس نے کرنے کے کام بتلائے ہیں۔ اس نے زندگی کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہر شخص کو دعوت دی ہے۔

یہ خیال اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً بے بنیاد ہے۔ کہ صرف اصحاب صفہ ولایت و محبوبیت کے حامل تھے۔ اور باقی صحابہ اس نعمت سے سرتاسر محروم مہاجرین اور انصارِ مدینہ کا ایک انبوہ کثیر اصحاب صفہ میں داخل نہ تھا، لیکن اس انعام سے مالامال تھا۔ حافظ ابن تیمیہ نے الفرقان میں اس کی تردید کی ہے، اور نظر و فکر کا یہ گوشہ بھی روایتی اعتبار سے ناپائیدار ہے کہ ارتقار رُوحانی کا محور اصلی علی ابن طالب ہیں اور بس حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنتہ کی جلد رابع میں اور شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین میں اس پر ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے۔ شاہ صاحب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ یہی مشہور ہے

مگر مشہور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محدثین اور ارباب سند کا مشہور اور دوسرے کسی خاص گروہ کا مشہور یہ مشہور دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ:۔

اصل ایں نقل ضعیف است یا باطل کہ آنرا نفی کردند
متاخران بقبول دہر مشہورے کہ چناں باشد آنرا اعتبارے نیست

یہ بھی غیر اسلامی تصور ہے کہ خدا کی محبوبیت صرف گوشہ نشینی خلوت اور عزلت میں محدود ہے اور سیاست معاش اور تمدن ولایت کے منافی ہے معاذاللہ کیا روحانی کمال یہ ہے کہ دنیا اور اس کے سارے معاملات کو انکے ہاتھوں میں دے دیا جائے جنہوں نے فسق و فجور کی گود میں پرورش پائی ہے اور اللہ والا ایک کونے میں بیٹھا ہوا تسبیح و تہلیل کرتا رہے۔ اس کے حجرہ سے باہر اگر فسق چھا جائے تو کوئی حرج نہیں، خدا کے قانون کی جگہ شیطانی قوانین پر انسانی تمدن کی بنیادیں استوار ہو جائیں تو کوئی ڈر نہیں، حرام حلال ہو جائے، اخلاق کا معیار الٹ جائے۔ عدل و تقویٰ ایک بے معنی لفظ بن جاتے، عبادت خدا کی جگہ ناخدا شناسی بلکہ خدا کی بغاوت کا اعلان عام ہو جاتے، مگر اللہ والوں کے لبوں میں اس کے خلاف جنبش نہ ہو۔ یاد رکھو یہ دین داری کا وہ راہبانہ تصور ہے جس سے اسلام کی روح نے پہلے ہی روز بغاوت کا اعلان کیا تھا۔

اذکار کی تفصیل

اس کتابچہ میں اسلام کے پورے نظام اذکار پر تفصیل بحث نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کے لیے ایک بڑی فرصت درکار ہے۔ سردست صرف یہ بتانا ہے کہ ایمان کی دعوت قبول کرنے اور اللہ کی الوہیت، حضور انورؐ کی رسالت ماننے کے بعد ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں ایمان کا تقاضا پورا کرنے کے لیے اللہ کو یاد کرنے کا نقشہ کیا ہے۔

ناظرین کی آسانی کے لیے ہم نے اذکار کی یہ تقسیم کی ہے ۔

اذکار عبادات	اذ کار منزلی
اذکار معاشی	اذ کار متفرقہ

اذکار عبادات

یوں تو شارع کی جانب سے ہر عمل میں ذکر کا ایک خاص پیمانہ منقول ہے ۔ لیکن عبادات میں سے نماز میں اذکار کو ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جتّٰی کہ قرآن میں نماز کی غرض و غایت ہی ذکر الٰہی کو قرار دیا ہے ۔ کیونکہ دراصل "نماز" ___ اسلامی زندگی میں نیازمندی کا ایک محسوس اور جامع پیمانہ ہے جس میں بیک وقت انسانی جسم اور رُوح سے کام لیا جاتا ہے اور زندگی ان کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے سرنگوں ہوتی ہے ۔ جس وقت زمین پر پیشانی ٹیکی جاتی ہے ۔ تو صرف پیشانی ہی نہیں ___ بلکہ انسانی دل و دماغ اور فہم و فراست کے ساتھ زندگی کی عزت و شرافت بھی اس کے سامنے جھک جاتی ہے ۔ سارا وجود، ساری فراست اور ساری شرافت زبان حال اور قال سے سبحان ربی الاعلیٰ کہتی ہے ۔

نماز دراصل انسان کی انسانیت کا لازمی اور طبعی تقاضا ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کا ایسا اہم اور ناگزیر مطالبہ ہے ۔ جسے پورا نہ کرنا خود انسانیت کی ناقدری اور جوہر انسانی کی تذلیل ہے ۔

انسان کا مقام

یہ زمین دراصل ایک وسیع عبادت گاہ ہے ۔ ذرّہ ذرّہ خدا کی عبادت کر رہا ہے ۔ انسان کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ اور اس دنیا میں اس کا مقام

انی جاعل فی الارض خلیفۃ

ہے ۔ اس ذرہ نوازی کی خاطر انسان اگر ہمہ وقت سربسجود رہتا اور کبھی وقت بھی اس کی پیشانی زمین سے نہ اٹھتی تو کوئی اچنبے کی بات نہ ہوتی ۔ لیکن چونکہ انسان

کو اِس زمین میں مکین بنا دینے کے بعد خُدا نے اپنی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے اور پیدا کی ہوئی چیزوں کو کام میں لانے کا حکم دیا ہے، اور چونکہ انسان میں پہاڑوں جیسی استقامت، درختوں جیسا صبر، دریا جیسی خاموشی، پرندوں کی سبک روی، جانوروں کی بے زبانی، زمین کی فتادگی اور سبزے کی پامالی نہیں ہے۔ بلکہ اِس کی فطرت میں شورش اور اس کے مزاج میں عجلت و بے صبری ہے اس لیے اسے صرف پانچ وقت نماز کا حکم دیا ہے، اور اس پانچ وقت کی حاضری کو ہمہ وقت حضوری اور پانچ نمازوں کو پچاس نمازوں کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک مشترک روایت میں حق تعالےٰ شانہٗ کا ارشاد گرامی منقول ہے

فقال، ھی خمس، ھی خمسون، لایبدل القول لدیّ

یہ پانچ ہی پچاس ہیں۔ نہیں بدلتی بات میرے نزدیک

شرف انسانی کی کھلی توہین

جو شخص ان پانچوں نمازوں کو بھی ادا نہ کرے وہ درحقیقت تمام موجودات کی نگاہ میں اپنے شرف انسانی کی توہین کرتا ہے، اور خلافت کے اِس منصب کی تحقیر کرتا ہے۔ جو اسے خدا کی طرف سے ملا ہے۔ وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس دُنیا میں صرف اس کا وجود ناکارہ، عبث، غافل، خود فراموش اور اللہ جلّ شانہٗ کا باغی و منحرف ہے۔ دنیا کا یہ پورا کا رخانہ اس کی زندگی اور راحت کے لیے دن رات لگاتار چل رہا ہے۔ کوئی تعطیل اور کوئی وقفہ نہیں۔ سُورج اِس کے لیے پابندی سے نکلتا ہے۔ ہوائیں اس کی خاطر دوڑتی پھرتی ہیں، بادل اپنے کاندھوں اور سروں پر پانی کا سمندر لیے پھرتے ہیں۔ درختوں کی طرف سے بخل نہیں زمین کو خدمت واطاعت سے عذر نہیں، جانوروں کو حکم سے مجال سرتابی نہیں، اور خود اس کا حال یہ ہے کہ بیک وقت ان سب

کی محنتوں کے نتائج سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان سب کی حیثیتوں کو جانتا اور پہچانتا ہے، لیکن اس ذات قدوس جل جلالہ کے سامنے سر جھکانے سے گریزاں ہے جس کے حکم سے یہ سارا عالم اس کی راحت کے لیے سرگرداں ہے
اس سارے عالم میں خدائے ذوالجلال کی عبادت کا نظام جس طرح قائم ہے اور اس جہان کی ہر چیز جس انداز سے اضطراری تسبیح اور صلوٰۃ میں لگی ہوئی ہے۔ اسی طرح انسان سے اضطراری نہیں بلکہ اختیاری طور پر اسی نظام عبادت میں جڑ جانے کا جو

اعبدوا ربکم الذی خلقکم

کہہ کر مطالبہ کیا ہے، نماز اسی نظام کی سب سے اونچی کڑی اور اسی راستہ کا سب سے زیادہ نمایاں شعیرہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان میں احساس کو تازہ اور بیدار رکھا جاتا ہے، کہ خدا کا بندہ ہے اور اسے خدا کی بندگی کرنی چاہیئے۔

عبادت کے معنی

عبادت عربی زبان کا مصدر ہے۔ اگرچہ یہ لفظ عربی میں بڑے وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور ان پھیلے ہوئے معانی کو ادا کرنے کے لیے ہماری زبان میں خاص الفاظ نہیں ہیں، لیکن فارسی زبان کے دو لفظ پرستش اور بندگی سے عبادت کے ان معانی کی ترجمانی ہو سکتی ہے۔

پرستش اور بندگی میں فرق

کسی بڑی ہستی کو خواہ کوئی ہو مقدس، برگزیدہ اور پاکباز سمجھ کر اس کے سامنے نیازمندانہ سر جھکانا کمر دوہرا کر دینا، دوزانو بیٹھ جانا، ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑے ہو جانا اور طلب گاریوں میں اسے پکارنا مصیبتوں مشکلوں اور بے قراریوں میں اس کے آگے گڑگڑانا۔ حاجت روائی مشکل کشائی

پناہ دہندگی میں اسے اپنا معین، نصیر گیر، محافظ اور پشتیبان یقین کرنا اور پھر اس جذبے طلب اور خواہش کے ساتھ اس کی سچے دل سے بڑائی کرنا، اس کے نام کے ورد و ظیفے جپنا، مرادیں مانگنا، منتیں ماننا، حاجت برآئی کے لیے نذر و نیاز دینا، بلاٹلنے کے لیے اولاد کے نام ان کی طرف منسوب بنا کر رکھنا، اس کے چڑھاوے چڑھانا، جانور ذبح کرنا، قسمیں کھانا اور سر پر اس کے بال رکھنا، اور اس قسم کے سارے کام پرستش ہیں۔
کسی کی بالادستی اور برتری مانکر فرمانبرداری اور اطاعت کرنا اسے پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، نشوونما دینے والا، کفیل اور دیکھ بھال کا ذمہ دار سمجھنا، سید، مطاع، سردار اور حاکم سمجھ کر اس کا وفادار اور اطاعت کیش بن کر رہنا اس کی فوقیت اور اونچائی تسلیم کر کے دنیا میں اس کے نام کا عملاً بول بولا کرنا، یہ اور اس نوع کے سارے اعمال بندگی ہیں۔

الوہیت، ربوبیت

پرستش اور بندگی کی واقعی اور حقیقی رُوح کو نمایاں کرنے کے لیے عربی میں معبود جل شانہٗ کو الٰہ اور رب کہا گیا ہے۔ جس طرح پرستش کا سارا شجرہ نسب الوہیت سے جاملتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح بندگی کے سارے رشتے ربوبیت سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو خدا کو الٰہ مانتا ہے۔ ضروری ہے کہ رب بھی مانے اور پھر جس طرح ورددں، وظیفوں، منتوں، چڑھاووں اور قسموں میں غیر اللہ (خدا کے سوا) نہیں، بلکہ من دون اللہ (خدا سے ڈرے) اور مع اللہ (خدا کے ساتھ) کسی کو ساتھی یا ساجھی بنانا خدا شناسی ہے اسی طرح امر ونہی اور اطاعت و انقیاد میں اللہ جل شانہٗ کی نازل فرمودہ شریعت سے ہٹ کر زندگی کے گوشوں کی تعمیر کے لیے کسی اور کا نظروں میں جچ جانا دل میں جگہ پالینا اللہ جل شانہٗ کی بہت بڑی ناقدری ہے۔

غلط فہمی اور خام خیالی

اصلاح کا نام آسان ہے، لیکن کام بڑا کٹھن ہے، لوگوں کو اس کی ضرورت تو معلوم ہے، لیکن اس کی نزاکت کا احساس نہیں ہے۔ اس کی نزاکت یہ ہے کہ امت کی اصلاح اس طرز سے اور اس ڈھنگ سے ہو جس ڈھنگ سے انبیاء نے امتوں کی اصلاح کی ہے۔

عام غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اصلاحی تگ و دو میں بندگی سے کام شروع کیا جائے۔ پرستش خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔ بہتوں کی زبانوں پر آیا ہے کہ اوپر مزاج نبوت کے مطابق تبدیلی ہو جائے نیچے درست ہو جائے گا۔ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ قوت کے زور سے لوگوں کو نیک بنالیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہ طرز انبیاء کے خلاف ہے۔ قرآن گواہ ہے۔ کہ انبیاء نے جب بھی اور جہاں بھی کام شروع کیا ہے۔ اس پکار سے کیا ہے کہ

یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ

ظاہر ہے کہ یہ پرستش کی پکار ہے۔ اسی کی خاطر انہوں نے اُن مبادی کی دعوت دی جن کی بنیادوں پر مخلصانہ عبادت کی عمارت اٹھتی ہے یعنی ایمان باللہ، ایمان بالیوم الآخر، ان دونوں میں فطری طور پر ایسی قوت ہے کہ جوں جوں صفات الٰہی اور الجنۃ اور انہار کے ذریعہ ان کی وضاحت ہوتی ہے پرستش کا ذوق اور شوق بڑھتا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے دعوت کے اسی مرحلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

انما نزل اول ما نزل منہ سورۃ من المفصل

فیھا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب

الناس الی الاسلام نزل الحلال

والحرام ۔ (بخاری باب تالیف القرآن)

نزول کے وقت اوّل اوّل وہ سورتیں اتریں جن میں جنت اور دوزخ کا تذکرہ ہے ۔ تا آنکہ جب لوگ اسلام کی طرف آ گئے تو حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے ۔

یعنی پرستش کے طبعی جذبات کو الجنت اور النار کے تذکروں سے ابھارا گیا جب دل ایمان سے منوّر ہو گئے اور سینے میں دینی حمیت جوش مارنے لگی ۔ اور لوگ سرنگونی کی طرف جھک پڑے تو قانونی تقاضے نازل ہوئے ۔

کسی زندگی کو سیاسی اور قانونی بنانے کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے اسے اعتقادی اور اخلاقی اصلاح کے ان سانچوں میں ڈھال لیا جائے جن پر قانون وسیاست کی بنیاد ہے، اور ان میں اعتقاد و اخلاق کے لحاظ سے ایسی پختگی آ جائے کہ اس کی راہ میں اپنی لذتیں اور مسرتیں بھول جائے ۔

یہ مقام امت میں صرف اصلاح کے نام سے نہیں بلکہ ان بنیادوں پر کام سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ جنہیں انبیاء نے امتوں میں برت کر دکھایا ہے یہ صرف ایک خدا کی لوگوں کو پرستش کی دعوت ہے ۔ اخباروں اور رسالوں سے منبروں اسٹیجوں سے یہ کام نہ ہوا ہے نہ ہو گا ۔ تاریخ نبوّت گواہ ہے کہ یہ منزل کٹھن ہے ۔ اس میں پٹنا، بھوکوں مرنا، دربدر پھرنا، دیہات کی خاک چھاننا اور درد کے ساتھ یہ یقین کر کے کہ آگ لگ رہی ہے، اور ہدایت کا پانی میرے پاس ہے آگ بجھانا میرا فرض ہے اگ میں اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کود جانا ناگزیر ہے اس محنت کے نتیجے میں عوامی زندگی میں وہ درد ۔ وہ احساس بندگی پیدا ہو گا جس کی اسلام کو ضرورت ہے ۔ خدا پرستی میں زیادہ سے زیادہ خلوص آئے گا طاعت کی ذہن اور رغبت پیدا ہو گی ۔ مصائب کی بھٹی میں تپ تپ کر اگر ایک طرف مخلصین پر کیفیات طاری ہوں گی، اور قلوب ذکر الٰہی کی لذتوں سے آشنا ہوں گی تو دوسری طرف کھوٹوں کا کھوٹ سامنے آئے گا ۔ یہی امت کی

کی اِصلاح کا وہ طریق ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے، اور یہی طریق کار اِس مقصد سے قریب کر سکتا ہے جسے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے یعنی خدا کا بندہ بن کر رہنا اور زندگی کے سارے گوشوں میں بندگی کرنا۔

اِسی مقصد کی تکمیل کی خاطر نماز فرض کی گئی ہے۔ تاکہ نظر کی پراگندگی کا ہر امکان دُور ہو جائے، ایاکَ نعبد کہہ کر نصب العین پر نگاہ جمی رہے۔ جسے رب العالمین کہہ رہے ہیں، اس کی ربوبیت کا اقرار کر کے اپنے عقیدے میں مضبوط ہو جائیں۔

نماز کا مقصد خدا کی یاد ہے

قرآنِ حکیم میں ہے

اقم الصلٰوۃ لذکری — قائم کر تو نماز کو میری یاد کیلئے

اس آیت میں پوری قوت سے یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ نماز کا مقصد صرف خدائے قدوس کی یاد ہے۔ یعنی اس بات کی یاد کہ میں بندہ ہوں اور سب مجھے خدا کی بندگی ہی کرنی چاہیئے گویا نماز دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں بندگی کے اِسی احساس کو اُجلا رکھنے کے لیے مقرر ہوئی ہے۔

اِسی بنا پر اُن خاص حالتوں کو جو امراء اور بادشاہوں کے دربار دں میں مراسم بندگی کے طور پر کی جاتی ہیں۔ نماز کے اعمال کا لازمی اور ضروری حصہ بنایا گیا ہے یعنی قیام، رکوع اور سجود دل میں جب کسی کی ہیبت، جبروت گھر کر جائے زبان اور دُوسرے اعضاء لازماً اس سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ آنکھیں زمین پر گڑ جاتی ہیں۔ گردن جھُک جاتی ہے، اور اِس سے بھی زیادہ یہ کہ پیشانی زمین پر ٹیک دی جاتی ہے۔ اقتدار کے سامنے اِنسانی زندگی پر ذلت و مسکنت جن راہوں سے آتی ہے، اور اس ذات کے لیے جو حالتیں عنوان کے طور پر اختیار کی جاتی ہیں۔ یہی تین ہیں۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں

فتلك التعظيمات الثلاث الفعلية شائعة فی طوائف البشر لا يزالون يفعلونها فی صلاتهم وعند ملوكهم وامرائهم

یہ تینوں فعلی تعظیمات تمام ہی لوگوں میں مشہور رہی ہیں، اور لوگ ہمیشہ سے اپنی دُعاؤں میں اور بادشاہوں اور امیروں کے یہاں اسے کرتے رہے ہیں۔

کہہ کر اسی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ نماز کے یہ اعمال مراسم عبودیت ہیں، اور نماز کا اصلی اور جوہری مقصد یہی ہے۔ کہ اس سے بندہ میں خدا کی بندگی کا احساس قوی ہو، اور یہ احساس اس قدر شدید ہو کہ ساری زندگی علی صفۃ الصلاۃ بن جائے اور حجۃ اللہ ہی میں شاہ صاحب نے جو بتایا ہے کہ،

واما الصلوة فيقصد فيها التشبيه بحال عبيد الملك عند مثولهم بين يديه ومناجاتهم اياه وخضوعهم له

نماز میں دراصل بادشاہ کے غلام کی اِس حالت سے تشبیہ مقصود ہے جب کہ وہ بادشاہ کے سامنے مؤدب کھڑا ہو کر عجز و نیازمندی کے ساتھ درخواست پیش کرتا ہے۔

تو اِس سے بھی بتانا مقصود ہے کہ نماز کا اصلی مقصود بندگی کے احساس کو زیادہ سے زیادہ قوی بنانا ہے۔ جس مقصد کی خاطر نماز وضع ہوئی، ربعی بن عامر نے یزدگرد کے دربار میں اسلام کے قاصد کی حیثیت سے ایک تقریر میں نبوت کا یہی مقصد کھول کر اس وقت بیان کیا تھا جب ان سے رستم نے ایران میں آنے کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ،

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد

الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن
جور الاديان الى عدل الاسلام (البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۹ ج ۷)
اللہ نے ہم کو روانہ فرمایا ہے تاکہ ہم نکالیں اللہ کے بندوں کو ۔
بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگنائی
سے دنیا کی کشائش کی طرف اور مذاہب کی چیرہ دستی سے اسلام
کے عدل کی طرف ۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب نے اسی چیز کو مراد اللہ، اللہ جل
شانہٗ کا مقصد قرار دے کر امت کا وجودی نصب العین بتایا ہے ۔ فرماتے ہیں

فمراد الله تعالىٰ من نصب هذه الامة ان تكون كلمة
الله هي العليا وان لا يكون فى الارض دين اعلىٰ من
دين الاسلام

اللہ کا مقصد اس امت کے وجود میں لانے سے یہ ہے کہ اللہ کی
بات کا بول بولا ہو اور ساری روئے زمین میں اسلام سے
بالا کوئی دین نہ رہے ۔

نماز اسی مقصد کی تکمیل میں مدد دینے کے لئے عابدانہ زندگی کا ٹریننگ کورس
ہے ۔ بھلا آدمی کی ساری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ بزرگی کے
سانچے میں ڈھل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ اپنے لئے بڑی اور ہمہ گیر
مشق و تمرین کی قوت چاہتی ہے ۔

انفرادیت سے اس مقصد کی بازیابی نہ صرف مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے ۔
ایک شخص کی سیرت عقیدے اور اخلاق کی دنیا میں نتائج رکھتی ہے ، لیکن
قانون زندگی کی بازیابی شخصی کردار اور انفرادیت سے نہیں ہو سکتی ۔
شاہ صاحب نے

ليس المقصود بالذات فى السياسة التشريعية

حال فرد جل حال الجماعة
شریعت کا پیش نہاد ایک شخص کی حالت نہیں بلکہ پوری جماعت
کی حالت ہے۔
کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ
ان یکون سنتهم ان یجتمع خاصتهم
وعامتهم وحاضرهم وبادیهم وصغیرهم
وکبیرهم لما هو اعظم شعائر واشهر طاعاته
(حجۃ اللہ البالغہ)
ان کی سنت یہی ہے کہ خاص، عام، شہری، دیہاتی، چھوٹے،
بڑے ایک عظیم دینی شعار اور مشہور ترین طاعت کے لیے
جمع ہوجائیں۔

نماز کے اذکار پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نماز کے
اوقات کا ایک اجمالی تعارف ہدیۂ ناظرین کریں۔

نماز کے اوقات کا پیمانہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
امنی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظهر
حین زالت الشمس وکانت قدر الشراك وصلی
بی العصر حین صار ظل کل شیئ مثله وصلی

بی المغرب حین افطر الصائم وصلیٰ بی العشاء حین غاب الشفق وصلیٰ بی الفجر حین حرم الطعام والشراب علی الصائم فلما کان الغد صلیٰ بی الظهر حین کان ظله مثله وصلیٰ بی العصر حین کان ظله مثلیه وصلیٰ بی المغرب حین افطر الصائم وصلیٰ بی العشاء الیٰ ثلث اللیل وصلیٰ بی الفجر فاسفر ثم التفت الیٰ فقال یا محمد هٰذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت مابین هٰذین الوقتین۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت جبریلؑ نے اپنی امامت میں مجھ کو دوبارہ نماز پڑھائی ظہر کی نماز پڑھائی جس وقت سورج ڈھل گیا، اور سایہ ایک تسمہ کی مقدار تھا۔ پھر نماز عصر پڑھائی جس وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگیا۔ پھر نماز مغرب پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ پھر نماز عشاء شفق غائب ہونے پر پڑھائی۔ بعدازیں نماز فجر اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

جب دوسرا روز ہوا تو حضرت جبریلؑ نے نماز ظہر ایک مثل اور عصر کی نماز دو مثل سایہ ہونے پر پڑھائی۔ مغرب کی نماز پہلے روز کے مطابق اور عشاء کی نماز رات کے ایک تہائی گزرنے پر پڑھائی بعدازیں نماز صبح چاندنا ہونے پر پڑھائی۔ اس کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ یہ تو آپ سے پہلے نبیوں کا وقت ہے اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

اس حدیث میں جناب جبریلؑ نے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کو نماز پڑھا کر اللہ سبحانہٗ کی جانب سے اوقات کا پیمانہ بتایا ہے۔ ایک روز اوّل وقت اور دُوسرے روز آخر وقت میں نماز پڑھا کر حضرت جبریلؑ نے بتایا ہے کہ ان دو وقتوں کے درمیان نمازوں کے اوقات ہیں۔

یہاں یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ اِس حدیث میں نماز کی ادائیگی کے لیے مستحب اوقات بتائے ہیں مطلق اوقات یہ نہیں ہیں۔ کیونکہ فجر کی نماز کا اصلی وقت تو طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک اور ظہر کی نماز زوالِ آفتاب سے ایک مثل سایہ ہونے تک، اور عصر کا وقت ایک مثل سے غروبِ آفتاب تک، اور نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شفق کے غائب ہونے تک اور عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے سے طلوعِ صبح صادق تک ہے! اوقات کا یہ پیمانہ احادیث میں خود جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ ہے۔ بخاری، مُسلم، دارقطنی اور ابوداوٗد میں یہ حدیثیں آئی ہیں۔

دُوسری بات یہاں یہ جاننے کی کہ ابتداء وقت عصر میں ایک خاص اختلاف ہے کہ ایک مثل کے بعد بھی نمازِ عصر جائز ہے یا نہیں؟ ـــــ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ایک روایت میں امام اعظم کے نزدیک یہ بالکل جائز ہے۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ یہی امام طحاوی کا مختار ہے، اور اسی کو در مختار میں مفتیٰ بہ بتایا ہے، مگر امام ابو حنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ مثل ثانی کے بعد سے نمازِ عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ امام اعظمؒ نے یہ بات اس حدیث کی وجہ سے فرمائی ہے۔ جو بخاری و مسلم میں موجود ہے، اور جسے امام محمدؒ نے مؤطا میں درج کیا ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مثلکم مثل اھل الکتابین کمثل رجل استاجر اجیراً فقال من یعمل من غدوۃ الی نصف النھار علی قیراط فعملت الیھود ثم قال من یعمل لی من

نصف النهار الی صلوٰۃ العصر علیٰ قیراط فعملت النصارٰی ثم قال من یعمل لی من العصر الی غروب الشمس علی قیراطین فانتم ھم فغضبت الیھود والنصارٰی وقالوا اکثر عملا واقل عطاء قال ھل ظلمتکم من اجرکم شیئاً قالوا لا قال فذالک اعطیہ من اشاء

تمہاری اور اہلِ کتاب کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے لوگوں کو مزدوری پر لگایا اور کہا جو صبح سے دوپہر تک کام کرے گا۔ اسے ایک قیراط ملے گا۔ یہ لوگ یہودی ہیں۔ اور کہا جو دوپہر سے نمازِ عصر تک کام کرے گا۔ اسے بھی ایک ہی قیراط ملے گا۔ یہ عیسائی ہوگئے۔ پھر کہا جو عصر سے مغرب تک کام کرے گا اسے دو قیراط ملیں گے۔ یہ تم مسلمان ہو۔ یہود و عیسائی غضبناک ہوگئے کہ ہمیں پیسے کم ملے حالانکہ کام ہمارا زیادہ ہے۔ کارخانہ دار نے کہا کیا میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ دبا لیا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ کارخانہ دار نے کہا کہ پھر میری مرضی ہے جسے جتنا چاہوں دوں۔

اس لیے احتیاط اس میں ہے۔ کہ ظہر کی نماز میں اخیر مثلِ اوّل تک تاخیر نہ کرے اور عصر کی نماز سایہ دو مثل ہونے سے پہلے نہ پڑھے اس طرح سب حدیثوں پر عمل ہو جائے گا لیکن اگر کوئی نیک نیتی سے پہلی صورت پر عمل کرنے کو پسند کرے تو اس کے لیے کافی گنجائش ہے اور اس پر ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

موسموں کے اختلاف کا اوقاتِ نماز پر اثر

موسم گرما میں نماز ظہر کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ صحیح حدیث میں

آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم

ظہر کو ٹھنڈی کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹوں سے ہے۔

عصر کی نماز میں تاخیر کا مستحب ہونا تشیل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ:

كان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر میں تاخیر سورج کے سفید اور صاف رہنے تک کرتے۔

عشاء کی نماز کو بھی تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل سے معلوم ہو رہا ہے۔ ترمذی میں ایک حدیث صحیح بھی آئی ہے۔ صبح کی نماز میں چاندنا مستحب ہے۔ ترمذی میں حدیث صحیح ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز صبح میں روشنی کرو۔ کیونکہ یہ اجر میں بڑھوتری کا سبب ہے۔

نماز کے اذکار پر ایک اجمالی نظر

نماز کے اذکار میں رسالت کے پیش نظر کیا مصالح ہیں؟ ان کا استقصاء اور تفصیل تو اس مختصر میں از بس مشکل ہے۔ لیکن اسی سلسلے میں حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ بہت ہی پر مغز اور حکیمانہ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

نماز کے اذکار میں چند بنیادی مصلحتیں اور حقائق پیش نظر ہیں ـــــ ایک یہ کہ انسان میں ایک شعور اور آگاہی رونما ہو۔ تاکہ

صحیح معنی میں نفس میں اُس سرنگونی اور نیازمندی کے متعلق کامل
تنبیہ ہو جائے جس کے لیے نماز واضح کی جانب سے منصۂ شہود
پر آئی ہے جیسے رکوع اور سجود کے اذکار یعنی فی الواقع زبان کے
الفاظ ان افعال نیازمندی کے لیے قلب میں شعور پیدا کریں ۔
اور کرنے والے کو بہتر ہو کہ کیا کر رہا ہوں اور کس کے لیے
کر رہا ہوں ـــــ دوسرے یہ کہ لوگوں کو امام کے حالات
کی تبدیلی اور تغیر سے آگاہی ہو جائے جیسے جھکنے اور اٹھنے کی
تکبیرات ـــــ تیسرے یہ کہ نماز میں کوئی حرکت ذکر سے خالی
نہ رہے ۔ مثلاً تکبیرات اور قومہ و جلسہ کے اذکار (رحمۃ اللہ)

تکبیر افتتاح

نماز کے اذکار میں سب سے پہلی تکبیر افتتاح یعنی اللہ اکبر کہنا ہے ۔ یہ
تکبیر نماز میں فرض ہے ۔ قرآن حکیم میں اِس کی طرف اشارہ ہے ۔
وذکر اسم ربہٖ فصلّٰی
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اعرابی میں تمام تکبیرات
نماز میں سے صرف اِسی کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اِس حدیث میں صرف نماز
کے فرائض و واجبات کا تذکرہ ہے پوری حدیث یہ ہے ۔

عن ابی ھریرۃ انّ رجلاً دخل المسجد و رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسٌ فی ناحیۃ
المسجد فصلّی ثمّ جاء فسلّم علیہ فقال
لہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علیک
السلام ارجع فصلّ فانّک لم تصلّ فرجع فصلّی
ثمّ جاء فسلّم علیہ فقال و علیک السلام

ارجع فصلّ فانّك لم تصلّ فقال فی الثالثة
او فی التی بعدها علّمنی یا رسول اللّٰہ فقال اذا
قمت الی الصلٰوة فاسبغ الوضوء ثمّ استقبل
القبلة فکبّر ثمّ اقرا بما تیسّر معك من
القرآن ثمّ ارکع حتّٰی تطمئنّ راکعاً ثمّ ارفع
حتّٰی تستوی قائماً ثمّ اسجد حتّٰی تطمئنّ ساجداً
ثم ارفع حتّی تطمئنّ جالساً ثم اسجد حتی تطمئنّ ساجداً ثم ارفع حتی تطمئنّ جالساً وفی روایة
ثمّ ارفع حتّٰی تستوی قائماً ثمّ افعل ذالك
فی صلاتك کلّها (متفق علیہ) التعلیق الصبیح صفحہ ۲۴۰ ج ۱

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ تو ایک آدمی مسجد
میں آیا۔ اور اس نے نماز پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ حضور
نے اس کے سلام کا جواب دے کر فرمایا واپس جا
اور پھر نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز ادا نہیں کی چنانچہ
وہ آدمی واپس لوٹا اور اسی طرح نماز ادا کی جس طرح پہلے پڑھی
تھی اس کے بعد پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیک
السلام سے جواب دے کر فرمایا واپس جا پھر نماز ادا کر اس لیے
کہ تو نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی طرح
کیا تو اس پر اس آدمی نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے
اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا کہ میں اس نماز
سے زیادہ اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا مجھے آپ سکھلا دیں۔ تو
حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو۔ تو پہلے

تکبیرِ تحریمہ کہہ پھر (بعد حمد و ثنا کے) قرآن کریم میں سے جو آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ وہ پڑھو پھر رکوع کرو۔ یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے ہو جاؤ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدے میں اطمینان سے ہو جاؤ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی ساری نماز اسی طرح ادا کرو۔

چونکہ نماز حرکت اور ذکر کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لیے ہر ذکر کے ساتھ حرکت اور ہر حرکت کے ساتھ ذکر کا شارع نے خوبی کے ساتھ پیوند لگایا ہے تکبیرِ تحریمہ کے موقعہ پر ذکر تو آپ معلوم کر چکے۔ لیجئے حرکت بھی معلوم کر لیجئے۔ اس موقعہ پر حرکت حرکت کا نام رفع یدین یعنی ہاتھ اٹھانا ہے۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے پر پوری اُمت کا اتفاق ہے اس موقعہ کے علاوہ احادیث میں دُوسرے مواقع پر بھی رفع یدین کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً ابن ماجہ میں عبداللہ ابن عباس رضؓ کی روایت میں ہر تکبیر کے وقت اور مسند امام احمد و ابو داؤد کی حضرت وائل والی روایت میں ہر اٹھنے اور جھکنے کے وقت رفعیدین کا ذکر آیا ہے۔ ان روایات کے لحاظ سے نماز میں ۲۶ جگہ رفعیدین ہے، اور بعض روایات میں ۵ جگہ بعض میں ۴ جگہ اور بعض میں ۲ جگہ رفعیدین مذکور ہے۔ الغرض مواقع رفعیدین میں احادیث میں بے حد اختلاف ہے۔ اِس لیے امام اعظم صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفعیدین کو سنت فرماتے ہیں۔ کیونکہ اِس پر سب روایات متفق ہیں، اور اندرون نماز میں دُوسرے مواقع پر رفعیدین کو صحیح مُسلم کی اس حدیث کی وجہ سے خلاف اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں جابر بن سمرۃ رضؓ کے واسطے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی لکھے۔

جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہمیں رفعیدین کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ کیا ہو

گیا میں تمہیں اس طرح رفعیدین کرتے دیکھ رہا ہوں جیسے گھوڑوں کی دُمیں ہل رہی ہوں، نماز میں سکون کرو۔

(مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)

امام اعظمؒ کے مشہور شاگرد امام محمد بن الحسنؒ نے کتاب الحج میں اسے نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

نماز میں یہ حکم تھا کہ میرے قریب نماز میں بڑے اور اہل علم کھڑے ہوں۔ آپ خود سوچیں کیا زمانہ نبوت میں نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اہل بدر سے آگے کوئی بڑھ سکتا تھا۔ صف اول اور ثانی میں اہل بدر ہوتے تھے، اور عبداللہ ابن عمرؓ وغیرہ پیچھے ہوتے تھے۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے زیادہ عالم کوئی نہیں ہے۔

رفع یدین کی مسنون کیفیت

شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں امام اعظمؒ کے اور علامہ طیبی نے الکاشف میں امام شافعیؒ کے حوالے سے یہ صورت بتائی ہے کہ ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں مونڈھوں کے آمنے سامنے انگوٹھے کانوں کی باپڑیوں کے بالمقابل اور انگلیاں دونوں کانوں کے برابر ہوں۔ اس طرح تمام حدیثوں پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری ہر صورت میں کسی نہ کسی حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں ہاتھ اٹھانے کی حد اور انتہا حذاء منکبیہ یعنی مونڈھوں کے سامنے بیان کی گئی ہے، اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث میں بروایت ابی داؤد یہ الفاظ موجود ہیں حتیٰ کانتا بحیال

منکبیہ وحاذی بابہامیہ اذنیہ یہاں تک کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے سامنے ہوتے تھے۔ ایک روایت میں یرفع ابہامیہ فی الصلوٰۃ الی شحمۃ اذنیہ نماز میں آپ انگوٹھے کانوں کی لَو تک اٹھاتے تھے ایک اور روایت میں جو حضرت براءؓ سے مروی ہے۔ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ دونوں ہاتھ کانوں کے قریب تک اٹھاتے تھے۔ یہ سب روایات ابوداؤد میں ہیں، اور مسلم کی روایت میں مالک بن الحویرث سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ حتیٰ یحاذی بہا فروع اذنیہ ہاتھوں کو کانوں کے کناروں کے سامنے کرتے تھے۔ اِس لیے ان سب روایات پر عمل کی صورت امام اعظمؒ نے وہ تجویز فرمائی ہے۔ جو شیخ ابن الہمام کے حوالے سے آپ سُن چکے ہیں۔

ذکر استفتاح

ثناء اور استفتاح کے موقعہ پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مُختلف دُعائیں ثابت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سب کو صحیح قرار دیا ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تکبیر اولیٰ کہتے تو قرارت سے پہلے کچھ سکوت فرماتے۔ میں نے دریافت کیا یا رسُول اللہ آپ تکبیر و قراءت کے درمیان سکوت و خاموشی میں کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہُوا میں یہ دُعا پڑھتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰهُمَّ

اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَایَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ ۔
اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ایسا ہی فاصلہ کر دے جیسا کہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ کر دیا خداوندا مجھے گناہوں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے صاف کر دیا جاتا ہے ۔ اے اللہ مجھے گناہوں سے برف اور ٹھنڈے پانی کے ذریعے پاک کر دے ۔

ابو داؤد اور سنن دار قطنی میں ہے ۔
حضرت عائشہ رض کہتی ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو یوں فرماتے ۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

خداوندا تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری حمد کرتے ہیں ۔ تیرا نام بابرکت تیری بزرگی برتری ہے ۔ تیرے سوا ہماری پرستاریوں کے لائق کوئی نہیں ہے

اگرچہ روایتی نقطہ نظر سے حضرت عائشہ رض کی اس روایت کی پوزیشن دوسری روایات کے مقابلے میں کچھ زیادہ برتر نہیں مگر اس کے باوجود امت نے حضرت عائشہ رض کی روایت ہی کو عملاً اپنایا ہے ۔ اس کی وجہ وہ ہی ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بتائی ہے ۔ کہ حضرت عمر رض نے مجمع صحابہ میں بآواز بلند نماز عصر میں سبحانک اللھم پڑھا اور صحابہ میں سے ایک نے بھی حضرت فاروق پر گرفت نہیں کی پس چونکہ اس کو صحابہ کی اجتماعی تائید حاصل ہے ۔ اس لیے اسے ہی اپنا لیا گیا ہے ، لیکن آپ پوچھ سکتے ہیں ۔ کہ حضرت عمر رض کی نظر انتخاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش فرمودہ اذکار میں سے صرف اسی ذکر پر کیوں پڑی ۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں اس کی وجہ

اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت قرآن کے اس مطالبہ کو کہ وسبّح بحمد ربّك حين تقوم
اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبی کے ساتھ جس وقت تو کھڑا ہو یعنی حکم ہو رہا ہے۔ ہر وقت تسبیح و تحمید میں لگے رہو بالخصوص کھڑے ہونے کے وقت، نماز کے لیے کھڑے ہو یا مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہو۔ ان حالات میں تسبیح و تحمید کرو۔ قرآنی مطالبے کو پورا کر رہی ہے اس لیے حضرت عمرؓ کی نظر انتخاب نے اسی کو چن لیا۔

استعاذہ یا تعوّذ

پہلی رکعت میں ثنا کے بعد تعوذ سنّت ہے۔ اس پر مبسوط بحث آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے۔ کہ نماز میں استعاذہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ اس موضوع پر مسند احمد اور ترمذی میں حدیث آئی ہے جس میں نماز میں استعاذہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا ہے۔

تسمیہ یا بسملہ

بسم اللہ کا پڑھنا بھی نماز کی ہر رکعت میں سنّت ہے، لیکن اسے ہر حال میں نماز میں آہستہ پڑھنا چاہیئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ کا یہ بیان ہے۔

> حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکر، عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب کے سب قرارت کا آغاز الحمد للہ رب العٰلمین سے کرتے تھے۔ بسم اللہ کا نہ اوّل قرارت میں اور

نہ آخر قرات میں ذکر کرتے تھے ۔ (صحیح مسلم)
ذکر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اِسی روایت کے دوسری طرق میں اس کی تصریح ہے۔ ابن حبان دارقطنی میں ہے فکانوا لایجھرون لبسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے، بلکہ یہ تصریح آئی ہے وکانوا یسترون ببسم اللہ، بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے ۔

نماز میں قرأت

قراءت نماز میں قرآن کی اس آیت فاقرءو ما تیسر من القرآن کی وجہ سے فرض ہے اور نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کی ساتھ قرآن میں سے کوئی حصّہ پڑھنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے واجب ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم لا صلوٰة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے نماز اس شخص کی جس نے نہیں پڑھی سورۃ فاتحہ ۔

اور صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے کہ:

لا صلوٰة لمن لم یقرء بامّ القرآن فصاعداً

نماز نہیں ہے اِس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہیں پڑھی ۔ (صحیح مسلم)

ان حدیثوں نے یہ بات کھول دی کہ نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا واجب ہے واضح رہے کہ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا فرض کی پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے، پچھلی دو رکعتوں میں واجب نہیں ہے چنانچہ صحیح بخاری اور

مسلم میں ہے۔
ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔
مگر یاد رہے کہ سُنتوں اور نفلوں کی سب رکعتوں میں فاتحہ اور سورت ضروری ہے۔

امام کے پیچھے قراءت

اب تک قراءت کا جو حکم بیان ہوا ہے۔ یہ امام اور اکیلے نمازی کا ہے اگر نماز باجماعت میں مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھ رہے ہو۔ تو اس کا حکم قرآن و حدیث میں اس سے الگ ہے۔ امام کے پیچھے مقتدی کا کام پڑھنا نہیں بلکہ چپ رہنا اور کان لگا کر سننا ہے۔

اسلام میں قوانین کا ماخذ چار چیزیں ہیں۔ قرآن حکیم، سنت، قیاس اور اجماع ـــــ خلافتِ راشدہ میں بھی اسلامی احکام کو معلوم کرنے کے یہی چار ذرائع تھے گویا اسلام میں قانون سازی کا دستوری ضابطہ یہی ہے۔
امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ بھی اکابرنے ان چار طریقوں سے حل کیا ہے۔ قرآن میں اللہ سبحانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے۔

اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون

جب قرآن پڑھا جاتے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جاتے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ قرآن کریم مومنوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تو اس کے بعد قرآن حکیم کے احترام اور تعظیم کا یہ طریقہ بتایا کہ قرآن کی قراءت ہو تو کان لگا کر

سنو اور خاموش رہو ایسا نہ ہو جیسا کہ مشرکین قرآن سنتے وقت شور و غل مچاتے ہیں اور کان نہیں دھرتے۔ آگے لکھتے ہیں :۔

بتاكد ذالك فى الصلوٰة المكتوبة اذا جهر الامام بالقراءة كما رواه مسلم فى صحيحه من حديث ابى موسىٰ الاشعرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا وكذا رواه اهل السنن من حديث ابى هريرة ايضاً وصححه مسلم بن الحجاج ايضاً ولم يخرجه فى كتابه

(ابن کثیر صفحہ ۲۲۳ ج ۲)

فرض نماز میں یہ حکم زیادہ زور دار ہو جاتا ہے جب کہ امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہو۔ جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ ارشاد نبوت بیان کیا ہے۔ کہ امام بنایا ہی جاتا ہے اقتدار کے لیے جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو۔ جب وہ قراءت کرے تو تم چپ رہو۔ ایسے ہی اصحاب سنن نے بحوالہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی روایت کیا ہے، اور امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی صحیح فرمایا ہے۔ اگرچہ اسے بالسند اپنی صحیح میں درج نہیں کیا

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے صرف چند آدمی نہیں بلکہ جمہور سلف و خلف ہیں، اور یہ نظریہ جمہور نے صرف قیاس و اجتہاد سے قائم نہیں کیا بلکہ کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم سے لیا ہے اور پورے زور سے فرماتے ہیں کہ :۔

قول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه و تعالیٰ قال واذا قرئ القران فاستمعوا له

وانصتوا قال احمد اجمع الناس علیٰ انها نزلت فی الصلوٰۃ (فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۴۱۲ ج ۲)

جمہور کا قول ہی درست ہے کیوں کہ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے۔
اذا قرئ القران الخ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ساری اُمت کا اِس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔

اگرچہ قرآن کی آیت اور اللہ سبحانہٗ کے ارشاد کے بعد اصُولی طور پر مسئلہ کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں مگر اِس کے باوجود دیکھئے۔ ارشادِ نبوت بھی سُن لیجئے۔

امام مسلم فرماتے ہیں۔ کہ ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے جریر نے بیان کیا۔ وُہ سلیمان تیمی سے وہ قتادہ سے وُہ یونس بن جبیر سے وُہ حطان بن عبداللہ الرقاشی سے روایت کرتے ہیں۔ وُہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:۔

ان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلوٰتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین۔

جناب رسُول اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تقریر فرمائی ہمارے سامنے سنّت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریق بیان کیا۔ نماز سکھائی۔ فرمایا جب نماز پڑھو تو صفیں سیدھی کر لیا کرو۔ اپنے میں سے ایک کو امام بنالو امام جب اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وُہ

قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

اس صحیح ارشادِ نبوت سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا فریضہ اور ڈیوٹی ہے مقتدیوں کا کام صرف سننا اور خاموش رہنا ہے اور بس۔

یہ حدیث امام مسلم کی روایت کے علاوہ ابو داؤد جلد اوّل صفحہ ۱۴۰، ابن ماجہ صفحہ ۶۱، بیہقی جلد دوم صفحہ ۱۵۵، دارقطنی جلد اوّل صفحہ ۱۲۵، مسند امام احمد جلد چہارم صفحہ ۴۹۵ اور جامع صغیر صفحہ ۳۰ میں بھی موجود ہے۔ اس حدیث کو صحیح کہنے والے یہ محدثین کرام ہیں۔

امام احمد، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جریر، حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن تیمیہ، امام علی المدینی، امام ابن الصلاح، امام سعید بن منصور، حافظ ابن حزم، امام منذری، حافظ ابن کثیر، امام اسحاق بن راھویہ، اور قاضی شوکانی فرماتے ہیں۔

ھو حدیث صحیح اخرجہ مسلم من حدیث ابی موسیٰ الاشعری (فتح الباری ج دوم صفحہ ۱۹۲)

ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام بنایا ہی جاتا ہے اس مقصد کے لیے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم چُپ رہو

یہ روایت ابن ماجہ صفحہ ۶۱، ابو داؤد جلد اوّل صفحہ ۸۹، سنن کبری جلد دوم صفحہ ۱۵۶، مسند احمد جلد چہارم صفحہ ۴۱۵ اور ان کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ امام کا کام قراءت کرنا اور مقتدی کا کام چپ رہنا ہے۔

ایک اور ارشاد نبوت سن لیجئے۔ حدیث چونکہ لمبی ہے۔ اس لیے صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

مؤطا امام مالک میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرارت کی ہے۔ ایک شخص بولا جی ہاں۔ یارسول اللہ! فرمایا جبھی تو میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں چھینا جھپٹی کیوں ہو رہی ہے آپ کے اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرارت کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرارت بالکل چھوڑ دی۔

یہ حدیث مؤطا امام مالک کے علاوہ حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں بھی مذکور ہے جس کے صحیح ہونے میں قطعاً کوئی کلام نہیں ہے۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کی ممانعت میں یہ روایت قطعی ہے۔ یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ سنن کبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۵۷، ابو داؤد جلد اول صفحہ ۱۲۰ دیکھو باقی رہی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب تو یہ حکم مطلق نماز کا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب حضرت امام احمد، امام بخاری کے استاد حدیث نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا صلاۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ (ترمذی صفحہ ۴۲)

امام احمد فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ جب اکیلا ہو تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

امام سفیان بن عیینہ مشہور محدث فرماتے ہیں ۔
قال سفیان لمن یصلی وحدہ (ابوداؤد صفحہ ۱۵۱)
امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے کے لیے ہے ۔
امام احمد فرماتے ہیں کہ ارشادِ نبوت کا یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بھی بتایا ہے فرماتے ہیں ۔
فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلاۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ (ترمذی صفحہ ۴۲)
پس یہ شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہے جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرء الخ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا ہو ۔
مشہور محدث علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ :۔
امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے ۔ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو ۔ کہ امام اونچی قرارت کر رہا ہو اور مقتدی امام کے پیچھے قرارت نہ کرے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور فرمایا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین ، یہ اہل حجاز میں امام مالک ، اہل عراق میں امام ثوری ، اہل شام میں امام اوزاعی ، اور اہل مصر میں امام لیث ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز باطل ہوتی ہے ۔ (المغنی جلد اول صفحہ ۵۲۴)
امام ابن قدامہ نے یہ دلیل پیش کی ہے ، اس دعویٰ پر کہ فاتحہ اجماع جب

امام آگے قراءت کر رہا ہو تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہیئے اِس پر پوری اُمّت کا اجماع ہے۔

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قراءت کو درست نہیں سمجھتے۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں

ان کان ماموماً ینصت الی قراءۃ الامام و یفھمھا (صفحہ ۶۷۸)

اگر مقتدی ہو تو اسے امام کی قراءت کی خاطر چپ رہنا چاہیئے اور امام کی قراءت کو سمجھنا چاہیئے۔

حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

فان جھر الامام لم یقرء الا عند الاسکاتۃ وان خافت فلہ الخیرۃ (حجۃ اللہ البالغہ)

اگر امام اُونچی قراءت کر رہا ہو تو مقتدی کو اس کے پیچھے قراءت نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں مگر سکتات میں، اور سرّی نمازوں میں مقتدی کو اختیار ہے۔ جی چاہے۔ جی چاہے پڑھے جی چاہے نہ پڑھے۔

ذکرِ رکوع

بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی میں ہے۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ آپؐ رکوع میں یوں فرماتے تھے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم

پاک ہے میرا بزرگتر مالک

اور سجدہ میں ،۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

پاک ہے میرا برتر مالک

مسند احمد، مسلم، ابو داؤد اور نسائی میں ہے

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجدے میں یوں فرماتے تھے :۔

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ

نہایت پاک وصاف ہے فرشتوں اور رُوح الامین کا مالک ہے

بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں یوں فرماتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي

اے اللہ تو پاک ہے اے ہمارے مالک اور ہم تیری حمد کرتے ہیں خداوندا مجھے بخش دے۔

ان تمام اذکار میں سے کوئی کہہ لے سب سنت ہیں۔ ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے لیے تین بار کی تصریح ہے، اور اِس کو ادنیٰ درجہ بتلایا ہے اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔

یہاں رکوع و سجود کے متعلق چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

۱۔ قرارت کو رکوع کی تکبیر سے نہ ملائیں بلکہ دونوں میں کچھ فاصلہ کرنا اولیٰ ہے

۲۔ رکوع اِس طرح کریں کہ دونوں ہاتھ سے دونوں گھٹنے اس طرح قابو میں کرلیں کہ ہاتھوں کی انگلیاں خوب کھل جائیں ہاتھوں کی کلائیاں اور کہنیاں اندر کو جھکی ہوئی نہ ہوں۔ بلکہ سیدھی ہوں۔

ابوداؤد، مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ:۔
ابو مسعودؓ صحابی نے رکوع اس طرح کیا کہ دونوں بازوؤں کو کھول کر
دونوں ہاتھ اس انداز سے گھوٹے رکھے کہ انگلیاں گھٹنے کے اردگرد
الگ الگ نمایاں تھیں۔
اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز
ادا کرتے دیکھا ہے۔

۲۔ رکوع کی حالت میں اگر امام مقتدی کی تسبیحات پوری ہونے سے پہلے
ہی کھڑا ہو جائے تو مقتدی کو امام کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ امام کی پیروی
ضروری ہے۔ نسائی میں ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد ہے۔ امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی
پیروی کی جائے۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب
وہ قراءت کرے تو تم چُپ رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن
حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو۔

ذکرِ قومہ

قومہ رکوع اور سجدہ کے درمیان قیام کے وقفہ کو کہتے ہیں۔ اس تھوڑے
سے وقفہ کے لیے شریعت نے اذکار جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس میں امام اور مقتدی
کے لیے الگ الگ اذکار بتائے ہیں مثلاً ارشاد ہے۔

اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا
لك الحمد

جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو

پوری حدیث بخاری میں اس طرح ہے۔
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک بار جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے آپؐ کے دائیں پہلو پر چوٹ آئی ہم آپؐ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے نماز کا وقت ہو گیا آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی ہم بھی بیٹھ گئے نماز ختم ہونے پر آپؐ نے فرمایا۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ امام بنایا ہی جاتا ہے۔ اس لیے تاکہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وُہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو جب وُہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وُہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی اٹھو جب وُہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وُہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔

اِس حدیث کو ائمہ ستہ نے بحوالہ انس بن مالکؓ اور ابن ماجہ کے سوا باقی نے بحوالہ ابی ہریرہؓ۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد نے بحوالہ ابی موسےٰ اشعریؓ اور امام حاکم نے مستدرک میں بحوالہ ابی سعید خدریؓ روایت کیا ہے یہ حدیث اِس بات میں فیصلہ کُن ہے۔ کہ امام کا کام سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور مقتدی کا کام ربنا لک الحمد کہنا ہے، اور یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تقسیم کار ہے، اور اگر اِس معنے کے لحاظ سے امام بھی ربنا لک الحمد کہہ لے کہ امام کی حیثیت صرف تلقین کنندہ ہی کی رہ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ امام کے لیے جمع ہی مستحب ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ۔ مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ اور حضرت علیؓ بن ابوطالب کی مختلف حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد کہتے اس لیے ادنیٰ اور افضل امام

اور منفرد کے لیے یہی ہے ۔ کہ دونوں کہے تہید میں ربنا لک الحمد، اللھم ربنا لک الحمد، ربنا ولک الحمد اور اللھم ربنا ولک الحمد سب الفاظ منقول ہیں ، مگران میں آخری اللھم ربنا ولک الحمد زیادہ افضل ہے ۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بروایت الاصیلی الفاظ یہ ہیں ۔

اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا
اللھم ربنا ولک الحمد

جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا ولک الحمد کہو اس پیمانہ ذکر کے علاوہ اور بھی ذکر ہیں ، مگر ان کو سنن اور نوافل میں اور منفرد ہونے کی حالت میں کرنا چاہیئے ۔ مسلم اور بخاری میں ہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو فرماتے ۔

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ

قبول کر لی اللہ نے اس کی حمد جس نے اس کی حمد کی

اور جب کھڑے ہوتے تو فرماتے ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ

اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے ہی واسطے تمام تعریف ہے

صحیح مسلم میں ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءُ الْاَرْضِ وَمِلْءُ مَا بَیْنَھُمَا وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ

بَعْدُ اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے ہی لیے ہے تعریف ۔ ایسی تعریف جو آسمانوں اور زمین کو بھر دے اور اس کے بعد جس چیز کو تو بھرنا چاہے ۔ اے تعریف اور بزرگی والے ۔ اے اللہ جو کچھ تو عطا کرے روکنے والا کوئی نہیں جو تو روک دے دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے دولت والے کو دولت فائدہ نہیں دیتی ۔

ان میں سے کوئی پڑھ لیا جائے سنت ہیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی اذکار ہیں رکوع سے اٹھ کر اطمینان سے پورا سیدھا کھڑا ہو جانا چاہیئے ۔ گویا دو چیزیں قومہ کی اصلی روح ہیں ۔ ایک سیدھا کھڑا ہو جانا دوسرے اطمینان ۔ سیدھے کھڑے ہونے کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی ہدایت فرمائی ہے ۔ مسند امام احمد کے حوالے سے المنتقیٰ میں ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ اللہ پاک اس شخص کی نماز کی طرف نگاہ ہی نہیں فرمائے گا ۔ جو رکوع اور سجدہ کے درمیان سیدھا کھڑا نہیں ہوتا ۔

ایک دوسری حدیث میں ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا ۔

(مسند احمد، ابن ماجہ)

یاد رہے اگر جماعت میں امام کو رکوع کی حالت میں مقتدی نے پا لیا تو رکعت مل گئی اب اس رکعت کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

نماز میں چوری

رکوع اور سجدہ نماز میں دونوں فرض ہیں اور ان دونوں میں جدائی قومہ کے ذریعے رکھی گئی ہے۔ ایسے دونوں سجدے الگ الگ فرض ہیں۔ ان دونوں میں فاصلہ ایک درمیانے جلسہ کے ذریعے قائم کیا گیا ہے قومہ اور جلسہ کا شریعت میں خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور اِس کو پورے طریق پر نہ کرنے کو زبان نبوت نے چوری قرار دیا ہے۔ بسند امام احمد میں بحوالہ حضرت ابوسعید خدری رضی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

بدترین چور وُہ شخص ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا نماز کی چوری کیسے؟ فرمایا جو شخص رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا ہے وُہ نماز کی چوری کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اِسی کیفیت کو کوتے کی ٹھونگ سے تشبیہ دی ہے۔ ابوداؤد میں عبدالرحمن بن شبل کے حوالے سے ارشادِ گرامی ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوتے کی ٹھونگ سے منع فرمایا ہے۔ (المنتقیٰ ۱)

ذکرِ سجدہ

سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہنا سنت ہے۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کی روایات میں گزرچکا اور وُہ اذکار بھی جو حضرت عائشہ رضی کی دونوں روایتوں میں بیان ہوچکے کہنے سنت ہیں۔ ان میں سے کچھ کہہ لے سب سنت ہیں، لیکن فرضوں میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى پر اکتفا کرے۔

ذکرِ جلسہ

دو سجدوں کی درمیانی بیٹھک کو "جلسہ" کہا جاتا ہے۔ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یوں فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ

اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمادے، مجھے معاف کردے مجھے ہدایت دیدے اور مجھے روزی دے۔

دو سجدوں کے درمیان ایک معمولی جلسہ کے ذریعے جدائی کی گئی ہے اور اس کے لیے ایک خاص ذکر کا پیسٹ مقرر کیا ہے۔نماز کا مقصود اصلی اللہ کی جناب میں خضوع و نیازمندی کی حالت پیدا کرنا ہے،اور سجدہ عملی طور پر اسی نیازمندانہ حالت کا ایک شاہکار ہے۔اس کی اسی مقصدیت کے پیش نظر سجدہ میں تکرار رکھا گیا ہے۔مقصد ہی کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعے رہنمائی فرمائی ہے۔

بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے
سجدہ کا فرض تو صرف پیشانی ٹیک دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔مگر نماز کے سجدے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص پیمانہ مقرر کیا ہے۔صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم ہوا ہے۔پیشانی، دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے، دونوں قدم۔

اس لیے سجدہ میں ان سات چیزوں کے زمین پر ٹیکنے کا ضرور خیال رکھنا چاہیے اور ساتھ ان باتوں کا بھی دھیان رکھنا چاہیے ۔

۱۔ چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو اور دونوں ہاتھ کانوں کے سامنے ہوں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں ۔ بلکہ ملی ہوں ۔

حضرت وائل رضؓ کہتے ہیں ۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کی حالت میں دیکھا آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے اس جگہ پر تھے ۔ جہاں آغاز صلوٰۃ میں تھے ۔ (نسائی)

۲۔ سجدے کی حالت میں اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے بچا کر رکھے بخاری و مسلم میں ہے ۔

حضرت عبداللہ بن مالک رضؓ کہتے ہیں ۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں بازوؤں کو اتنا کھول دیتے کہ آپؐ کی بغلوں کی سپیدی نظر آجاتی ۔

یاد رہے کہ ایسا کرنا اس وقت سنت ہے جب کہ کسی کو ایذا نہ ہو ۔ اگر جماعت میں ہو تو ایسا نہ کرے کیونکہ مسلمان کو تکلیف دینا از روئے قرآن حرام ہے ۔ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں یہ تفصیل بتائی ہے ۔

۳۔ اپنی دونوں کلائیوں کو زمین پر نہ رکھے کیونکہ امام بخاری نے حضرت انس رضؓ کے حوالے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے ۔

سجدے میں اعتدال کرو اور نہ بچھائے تم میں سے کوئی اپنی کلائیوں کو جیسے کتا بچھاتا ہے ۔

۴۔ سجدے کی حالت میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے بالکل الگ اور جدا رکھے ۔ صحیح مسلم میں حضرت میمونہ رضؓ کے حوالے سے ہے ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے

توراِنوں اور پیٹ کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا کہ چھوٹا بکری کا بچہ بھی گزرنا چاہے تو گزر جائے۔

۵۔ دونوں رانوں کو سجدے میں ملا کر رکھنا چاہیئے۔ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے حدیث ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے اسے چاہیئے کہ کتے کی طرح اپنی کلائیوں کو نہ بچھائے اور اسے چاہیئے کہ اپنی رانوں کو ملائے یعنی دونوں گھٹنے ملے ہوئے ہوں۔

سجدہ میں جانے اور اُٹھنے کا مسنون طریقہ

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے، پھر ہاتھ اور پھر چہرہ رکھنا چاہیئے اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا الٹ پہلے چہرہ پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھانا چاہئیں۔ ائمہ خمسہ نے حضرت وائلؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت وائلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سجدہ کرتے دیکھا ہے آپؐ پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھتے تھے۔ اور اُٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے اور پھر گھٹنے۔

یاد رہے کہ سجدے سے اُٹھتے وقت نہ بیٹھ کر اُٹھے اور نہ ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اُٹھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ابو داؤد میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھوں کے سہارے اٹھنے سے منع فرمایا ہے

یاد رہے کہ عذر کی صورت جیسے بڑھاپا ہاتھوں کے سہارے اٹھنا جائز ہے۔ ایسے ہی بیٹھ کر اٹھنا بھی جائز ہے، مگر بلا عذر بیٹھ کر اٹھنا درست نہیں ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی عادت عامہ نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہونے کی تھی۔
مصنف ابن ابی شیبہ میں بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نماز میں سجدے سے اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے
تھے اور بیٹھتے نہ تھے۔
بڑے بڑے اکابر صحابہ کا یہی عمل ہے مگر یہ خیال رہے کہ ایسا کرنا صرف فضل
ہے اور اگر کوئی بیٹھ کر اٹھتا ہے۔ تو نماز بلا کراہت درست ہے۔ قالہ الحلوانی

اِسلام میں سجدے کا مقام

چونکہ عبادت لغت میں انتہائی تذلل کو کہتے ہیں، اور زمین کے سارے
اعمال میں سجدہ اسی آخری تذلل کا ایک نمونہ ہے اور اگر غور سے دیکھو تو نماز میں
سجدہ کو درجہ مقصودیت حاصل ہے۔ اسی کی خاطر دوسرے اعمال ہیں۔ اسلئے
سجدے کو بالذات شریعت میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اتنی کہ بندہ
اللہ سے جتنا سجدے کی حالت میں قریب ہوتا ہے۔ کسی حالت میں نہیں ہوتا۔
صحیح مسلم میں بحوالہ حضرت ابوہریرہؓ حدیث ہے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ بندہ اپنے
رب کے سجدہ میں سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس لیے
سجدے میں خوب دُعا کرو۔
ایک دوسری حدیث صحیح مسلم میں ہے۔
حضرت ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ میں آپ کی قضائے حاجت اور وضو
کے لیے پانی لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا

مانگ! میں نے عرض کیا میں تو جنت میں آپؐ کے ساتھ رہنے کا سوالی ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور مانگ۔ میں نے عرض کیا۔ یارسُول اللہ! میری مانگ تو بس یہی ہے۔ فرمایا پھر مدد کر تو میری اپنی ذات کے مقابلے میں سجدوں کی بہتات سے۔

یہ حدیث اِس بات میں فیصلہ کن ہے۔ کہ جنّت میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اتنا اُونچا اور اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی سجدوں کی بہتات سے اللہ کا قرب حاصل کر لے تو پھر یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ اِس کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں رفاقت نصیب ہو جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

معدان کہتے ہیں کہ میں حضرت ثوبان سے ملا ہوں۔ ان سے میں نے کہا کوئی ایسا کام بتائیے جو میرے لیے جنت میں پہنچانے کا سبب ہو۔ آپ خاموش ہو گئے میں نے پھر دریافت کیا پھر آپ خاموش ہو گئے۔ میں نے تیسری بار پھر پوچھا۔ آپ نے جواب میں کہا کہ اِس کے بارے میں مَیں نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔

تم بہت سجدے کیا کرو کیونکہ اللہ کے لیے اگر تم ایک سجدہ کرو گے تو اِس کے ذریعے تمہارا ایک درجہ بلند ہو گا اور ایک گناہ دھلے گا (مسلم)

قرآن میں اللہ سبحانہٗ نے سجدہ کو اپنے قرب کا ذریعہ بتایا ہے ارشاد ہے۔ واسجد واقترب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اسی حکم الٰہی کی تفسیر ہے۔ قرآن میں ایک دُوسرے موقعہ پر سجدے کی حالت میں چہرے پر لگی ہوئی مٹی کا تذکرہ مقام مدح میں کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود
نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے۔ سجدہ کے اثر سے۔

بتانے والوں نے نماز میں سجدے کے تکرار کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ فرشتوں
کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو سر بسجود ہو گئے۔ سر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ ابلیس
نے حکم سجدہ سے سرتابی کی۔ فوراً احساس شکر سے دب کر دوبارہ سر بسجود ہو
گئے گویا ہر نمازی نماز کی ہر رکعت میں واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بحوالہ ابی ہریرہؓ صحیح
مسلم میں موجود ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی جب
آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے۔ تو شیطان روتا ہوا ہٹ جاتا
ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس کہ انسان کو سجدہ کا حکم ہوا
تعمیل حکم میں اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہے۔ مجھے
بھی حکم ہوا مگر میں نے انکار کیا پس میرے لیے دوزخ ہے۔

ذکرِ قعود

تشہد تین مشہور ہیں۔
۱۔ تشہد ابن مسعود ۲۔ تشہد ابن عباسؓ ۳۔ تشہد ابو موسیٰ اشعری

علامہ ابو بکر البزار کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کا تشہد بیس سے زیادہ طریقوں سے
مروی ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے۔ امام مسلم نے دعویٰ کیا ہے کہ تشہد ابن مسعود
پر لوگوں کا اجماع ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ
کا تشہد سب سے صحیح ہے۔ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے

بخاری ومسلم
ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد ایسے ہی سکھائی ہے۔ جیسا کہ قرآن سکھاتے تھے میری ہتھیلی آپ کی ہتھیلی میں تھی۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

زبانی، مالی اور بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں سلام آپ پر اے خدا کے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں۔ سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشہد میں اشارہ

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس کے سُنت ہونے پر جیسے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ متفق ہیں۔ ایسے ہی امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ موطا میں فرماتے ہیں:۔
علی بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز میں بیجا حرکت کرتے دیکھا۔ فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ ویسا کیا کرو جیسا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا۔ آپؐ کیسے کرتے تھے۔ فرمایا۔ جب آپ بیٹھتے تو آپ اپنی دائیں

ہتھیلی کو دائیں زانوں پر رکھ لیتے اور ساری انگلیوں کی مٹھی بنا کر اس انگلی سے جو انگوٹھے کے نزدیک ہے، اشارہ کرتے اور اپنی بائیں ہتھیلی کو بائیں زانو پر رکھ لیتے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے۔ علامہ تکسنی نے شرح مختصر الوقایہ میں لکھا ہے کہ:۔

قاضی ابو یوسفؒ نے "امالی" میں بیان کیا ہے، کہ خنصر اور بنصر کو دبا کر انگوٹھے اور درمیان کی انگلی کا حلقہ بنائے اور پھر مسبحہ سے اشارہ کرے۔ (سعایہ)

اس کا حاصل یہ ہے کہ تینوں امام اس پر متفق ہیں، اور شیخ ابن الہمام نے اسی کو تقاضائے روایت و درایت قرار دیا ہے۔

اشارہ کب کرے

اشارہ صرف شہادت توحید اشہد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچنے کے وقت کرے اور لا پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی کی اور رکھنا اثبات کی ایک محسوس علامت ہو جائے۔ یہی اکثر فقہاء کا مختار ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر شہادتِ توحید کے موقعہ پر انگلی اٹھانا بھول جائے تو پھر نہ اٹھائے۔ (سعایہ)

اشارہ کیسے کرے

اشارے کی تین صورتیں ہیں۔ ان میں سے جو چاہے اختیار کر لے۔

۱۔ خنصر اور بنصر اور درمیانی انگلی کی مٹھی بنالے اور انگوٹھے کو انگشت شہادت کی جڑ میں لگا کر اشارہ کرے۔ یہ صورت وہ ہے۔ جو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے صحیح مسلم کی اس روایت میں پیش فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں زانو پر اور دائیں کو دائیں پر رکھتے اور ۵۳ کا عقد کر کے اشارہ کرتے۔

یہ پہلی صورت ۵۳ کا عقد ہے۔

۲۔ تینوں انگلیوں کو دبالے اور انگوٹھے کو درمیانی مٹھی والی انگلی کے ساتھ ملا دے اور پھر اشارہ کرے۔ یہ وہ صورت ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابن الزبیرؓ کے حوالے سے آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں زانو پر رکھتے اور اپنی انگشت شہادت سے اِس طرح اشارہ کرتے کہ اپنے انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ لیتے۔

اِسی کو ۲۳ کا عقد کہتے ہیں۔

۳۔ خنصر اور بنصر کی مٹھی بنالے اور انگوٹھے کو درمیان کی انگلی کے ساتھ ملا کر حلقہ بنالے اور انگشتِ شہادت کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور پھر اشارہ کرے یہ وہ صورت ہے۔ جو سنن ابی داؤد میں حضرت وائلؓ کے حوالے سے آئی ہے

حضرت وائلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں زانو پر رکھتے اور اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں زانو پر رکھتے اور دو انگلیوں کو دباتے اور ایک حلقہ بنا لیتے پھر انگلی اٹھاتے۔ میں دیکھتا تھا کہ آپؐ انگلی ہلا کر دُعا مانگتے۔

مُٹھی دَبا کر عقد کبؒ کرے

مسلک مختار یہی ہے کہ تشہد میں بیٹھ کر اولاً ہاتھ کو کھلا رکھے پھر بوقت اشارہ عقد کرے کیونکہ کچھ روایات میں اشارے کے ساتھ صرف رکھنے کا بھی ذکر ہے مثلاً حضرت نافع رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اشارے میں یہ عمل نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ زانو پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ______ یا جیساکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب آپؐ نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ زانو پر رکھتے اور دائیں ہاتھ کی انگلی کو اٹھاتے ______ ان سب روایات پر عمل کی صورت علماء نے یہی بتائی ہے کہ پہلے ہاتھ کھُلا رکھے۔ پھر بوقتِ اشارہ مُٹھی بنائے اور مذکورہ بالا تین صورتوں میں کسی پر عمل کرکے اشارہ کرے۔ شیخ ابن الہمام کا فتح القدیر میں اور ابن قدامہ کا المغنی میں اسی طرف میلان ہے۔

عقد یا حلقہ کب تک رکھے

اس میں راجح اور اولیٰ یہی ہے۔ کہ عقد اور حلقہ کو سلام تک رکھے سنن ترمذی کی کتاب الدعوات میں ایک حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

عاصم کے دادا کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نماز میں مشغول تھے۔ آپؐ نے تشہد کی حالت میں اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا تھا۔ اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا تھا۔ اور انگلیوں کی مٹھی بنا کر انگشتِ شہادت کو پھیلا رکھا تھا۔ اور یہ فرمارہے تھے کہ

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

یہ حدیث اِس بات میں فیصلہ کن ہے کہ عقد و حلقہ کے بعد ہاتھ کو پھر کھولنا نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی ؒ نے سعایہ میں اِسی پر زور دیا ہے اور تزیین العبارۃ میں ملا علی قاری کا میلان بھی یہی ہے۔ اِس مسئلہ میں عوام کی معلومات چونکہ سطحی ہیں۔ اس لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہوئی۔

درُود شریف

مسند احمد، مسلم، نسائی، ترمذی، ابو داؤد، دارقطنی، سنن بیہقی اور مستدرک حاکم میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ ہم سعد بن عبادہ کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ بشیر ابن سعد نے آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہ! خدا نے ہم کو آپؐ پر درُود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ہم آپؐ پر درُود کیسے بھیجا کریں۔ آپؐ کچھ خاموش ہوگئے صحابہ کہتے ہیں کہ ہم پچھتائے سوال ہی نہ ہوتا۔ بالآخر آپؐ یوں گویا ہوئے کہ ایسے کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اے اللہ درُود بھیج تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر جیسا کہ درُود بھیجا تُو
نے ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی آل پر بیشک تُو بڑی تعریف والا بزرگی
والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر جیسا کہ برکت
نازل کی تُو نے ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی آل پر بیشک تو بڑی تعریف
والا بزرگی والا ہے۔

پھر فرمایا کہ سلام وُہ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی
ابن ماجہ اور مؤطا میں ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں
یہ پیش کش کی یارسُول اللہ! یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ آپؐ پر سلام
کیسے بھیجا جاتا ہے (یعنی ہم پہلے ہی تشہد میں السلام علیک کہتے
ہیں) مگر یہ تو ارشاد فرمائیے کہ صلاۃ کیسے بھیجا کریں۔ زبانِ نبوت
یوں گویا ہوئی کہ اِس طرح کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اے اللہ درُود بھیج تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر جیسا کہ درود بھیجا
تُو نے ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی آل پر بیشک تو بڑی تعریف والا بزرگی
والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر
جیسا کہ برکت نازل کی تُو نے ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی آل پر بے شک
تو بڑی تعریف والا بزرگی والا ہے۔

ضروری تنبیہ

درود شریف کی کیفیت میں احادیث مختلف ہیں۔ ہم نے کعب بن عجرہ کے حوالے سے درود کے جو الفاظ لکھے ہیں۔ اسے تمام ارباب صحاح نے روایت کیا ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی جیسے صحیح احادیث میں آتے ہیں۔ ان کی تفصیل علامہ ابن حجر ہیثمی نے "الدر المنضود فی الصلاۃ علی صاحب المقام المحمود" میں اور حافظ سخاوی کے "القول البدیع" میں لکھ دی ہے۔

اس کا خیال رکھا جائے کہ الفاظ ماثور ہوں۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ درود کے ساتھ خود الفاظ پر بھی اللہ سبحانہٗ کی جانب سے اجر مرتب ہوتا ہے۔ اگر الفاظ ماثور نہ ہوں گے تو درود کی حد تک ادا ہو فرض تو ہو گا۔ مگر جادۂ نبوّت کے مطابق نہ ہو گا۔ نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ چونکہ سرکاری ہیں۔ اس لیے وہ سب سے افضل ہے۔ مشہور محدث ملا علی قاری حنفی الحزب الاعظم میں رقمطراز ہیں۔

فضلها ما ورد عقيب التشهد (صفحہ ۲۵۹)

درودوں میں سب سے افضل وہ ہے جو تشہد کے بعد ہے

یہ بھی خیال رکھا جائے کہ درود بھی دوسری ادعیہ اور اذکار کی طرح دعا اور ذکر کا ایک حصہ ہے۔ اور سن چکے ہو کہ اذکار اور ادعیہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل بلند آواز سے نہیں بلکہ پست آواز سے پڑھنا ہے اس لیے نماز سے الگ بھی درود پڑھنے میں اِس کا خاص لحاظ کیا جائے۔

ایک لطیف نکتہ

اس موقعہ پر حافظ ابن القیمؒ ایک سوال کے جواب میں بڑی لطیف بات فرما

گئے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ پاک نے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے۔ یعنی آیت یا ایھا الذین آمنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما میں پہلے صلوٰۃ اور پھر سلام کا حکم ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ نماز میں قرآن کی بیان فرمودہ ترتیب کے خلاف پہلے سلام اور پھر صلوٰۃ ہے۔ حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں اس کا خاص وزن ہے کہ اعمال نبوت قرآنی ترتیب کے خلاف نہ ہوں۔ حج کو دیکھئے سعی بین الصفا والمروہ میں یہ بات بتاتے ہوئے کہ سعی کا آغاز مروہ سے ہو یا صفا سے فرمایا۔ ہم وہاں سے شروع کریں گے جہاں سے اللہ نے شروع کیا۔ قرآن میں ہے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ لہٰذا سعی کا آغاز صفا سے ہوا۔

وضو میں پہلے چہرہ پھر ہاتھ پھر مسح اور پھر پاؤں اسی لیے دھوئے گئے کہ قرآن نے اپنے بیان میں یہی ترتیب رکھی تھی اور ساری زندگی میں ایک بار بھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔ مگر اس کے باوجود ہم جب نماز میں صلاۃ وسلام کو دیکھتے ہیں تو یہاں ترتیب قرآن کے خلاف نظر آتی ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ نماز عبودیت کا ایک معجون مرکب ہے جس میں بیک وقت دل اور تمام اعضاء وجوارح سے عبودیت کا کام لیا گیا ہے۔ نمازی کے سارے اعضاء نماز میں اللہ سبحانہٗ کے سامنے عجز ومسکنت، نیازمندی اور تذلل کی تصویر بن کر اللہ کی عبودیت کا فرض ادا کرتے ہیں۔ نماز میں جونہی یہ عبودیت تمام ہوتی ہے، اور حرکتیں ختم ہو کر آخری حرکت سامنے آتی ہے۔ تو نمازی ایک عاجز، خاکسار اور نیازمند غلام کی طرح آقا کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اللہ کی جناب میں حمد وثنا کی سوغات پیش کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ تحیات صلوٰۃ اور طیبات یعنی حمد وثنا کی ساری قسمیں اللہ کے لیے ہیں۔ اسی کی ملک ہیں اس سے فراغت کے بعد نمازی کا ذہن اس محسن اعظم کی طرف جاتا ہے جس کی

راہنمائی اور قیادت میں نمازی کو عبودیت کا یہ مقام ملا ہے۔ وہ اس احسان کے
اس احساس سے دب کر فوراً کہتا ہے۔ السلام علیك ایها النبی
اور صرف سلام کے ساتھ رحمت و برکت کا تحفہ بھی جناب نبوت میں پیش کرتا ہے
اس کے بعد نمازی اس نغمہ کو اس شہادت پر ختم کرتا ہے۔ جہاں سے اس نے
ایمانی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان
محمداً عبده و رسوله۔ یہ دُعا ثنا دخیر ہوئی۔ اب نمازی اپنی دُعا کا
دُوسرا حصہ دُعا رسُلہ شروع کرتا ہے۔ لیکن اس کا آغاز اپنے سے نہیں بلکہ۔۔۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ
گرامی سے کرتا ہے۔ کیونکہ آپ پر درُود داعی کے لیے دنیا و آخرت میں نافع ہے
بعد ازیں اپنے کو پیش کرتا ہے۔ پھر والدین اور تمام مسلمانوں کے لیے بھیک مانگتا
ہے بس اس خصوصی ترتیب کی وجہ سے پہلے سلام اور پھر صلوٰۃ کا ذکر ہوا ہے۔ اگر
نماز میں اس کے خلاف ہوتا تو بات بگڑ جاتی۔ نمازی پہلے اللہ کی جناب میں ایک
دُعا کرتا ہے۔ دُعا دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک دُعا ثنا و دخیر۔ دُوسری دُعا طلب و
مسئلہ۔ پہلی بہ نسبت دُوسری کے زیادہ اشرف ہے۔

الصّلوٰۃ علیک ایّھا النبی کیوں نہیں کہا گیا؟

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ التحیات میں سلام کے موقعہ پر صیغہ خطاب
اور درُود میں صلوٰۃ کے موقعہ پر صیغہ غائب لایا گیا ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا
کہ السلام علیک کی طرح الصلوٰۃ علیك یا الصلوٰۃ والسلام
علیك ایها النبی و رحمۃ اللہ کہہ دیا جاتا۔ تعبیر کے اس اختلاف
کی جہاں تک میں وجہ سمجھا ہوں یہ ہے صلوٰۃ دراصل خاص طلب رحمت کا نام
ہے اور معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس رحمت کے
اللہ سے مانگنے کی ہمیں ہدایت فرمائی ہے۔ اللہ پاک سے الگ ہو کر صرف صلوٰۃ

صلوٰۃ کہنا کچھ بے معنے بات ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص طلب و دعا کے پیمانے سے ہٹ کر صرف یہ کہے الصلوٰۃ علی رسول اللہ یا الصلوٰۃ علی النبی تو ایسا کہنے سے وہ ہرگز ہرگز اس فرض سے سبکدوش نہ ہوگا جس کا قرآن نے صلوٰۃ کے نام پر اس سے مطالبہ کیا ہے۔

چنانچہ علامہ محمود آلوسی حنفی روح المعانی میں رقمطراز ہیں۔

بخلاف الصلوٰۃ علی رسول اللہ فانہ لا یجزئ اتفاقا لانہ لیس فیہ اسناد الصلوٰۃ الی اللہ تعالیٰ فلیس فی معنی الوارد

الصلوٰۃ علی رسول اللہ درود کا پیمانہ بالاتفاق درست نہیں ہے کیونکہ اس میں صلاۃ کی اسناد اللہ کی طرف نہیں ہے لہٰذا یہ پیمانہ اس صیغہ کا ہم معنی نہیں جو اس سلسلے میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے منقول ہے بلکہ حضور کی بیان فرمودہ درود اَللّٰھُمَّ صَلِّ الخ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

لایحصل امتثال الامر الا بما فیہ طلب ذالک منہ عز وجل

درود کے حکم کی تعمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس میں صاف طور پر اللہ سے مانگا نہ جائے۔

یوں سمجھو کہ جس طرح استغفار استغفار کہنے سے استغفار کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا ایسے ہی الصّلاۃ علیک کہنے سے درود کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا اس لیے یاد رکھو۔ درود اَللّٰھُمَّ صَلِّ الخ ہے۔ خواہ اس کی صورت کوئی ہو۔ مگر الصلوٰۃ علیک یا رسول اللہ درود نہیں ہے۔ اسی بنا پر فقہ کی تمام کتابوں میں زیارت حرم نبوی کے موقعہ پر آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کا پیمانہ تو ضرور ملے گا۔ مگر الصلوٰۃ علیک کا کہیں بھی کسی کتاب میں نام و نشان نہیں ہے۔ علماء

نے کتابوں میں درُود کے سارے صیغے لکھے ہیں۔ شاہ عبدالحق نے بھی ان سب صیغوں کو جمع کیا ہے۔ مگر درُود کا یہ صیغہ الصلوٰۃ علیکَ کہیں بھی مذکور نہیں۔

درُود کے صیغوں کا مشہور مجموعہ جو دلائل الخیرات کے نام سے مشہور ہے اِس میں تمام صیغوں کا تذکرہ ہے لیکن الصلوٰۃ علیک یا الصلوٰۃ علی محمد کے صیغے کا ساری کتاب میں کہیں بھی نام ونشان نہیں ہے۔ بس بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ان وجوہ کی بنا پر اَللّٰھُمَّ صَلِّ کو چھوڑ کر الصلوٰۃ علیک کی تعبیر اختیار نہیں کی گئی۔

دُعا بعد درُود

اِس دُعا کے لیے احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ صحیح بخاری میں بحوالہ عبداللہؓ بن عمرو حدیث ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی مجھے نماز میں پڑھنے کے لیے کوئی دُعا بتائیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور نہیں بخشتا کوئی گناہوں کو مگر تو۔ پس بخشدے تو مجھے اپنے پاس سے بخشنا اور رحم کر تو مجھ پر بے شک تو رحم کرنے والا بخشنے والا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اور اسلام کے درمیان یہ دُعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ (الاذکار للنووی صفحہ ۶۰)

اے اللہ مجھے بخش دے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ۔

جب تم تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ عذابِ جہنم۔ عذابِ قبر۔ زندگی اور موت کا فتنہ، اور مسیح دجال کا فتنہ۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ

اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور دجال کے فتنے

---

۱ فتنہ کے معنے آزمائش کے ہیں۔ زندگی کا فتنہ راہِ حق سے پھر جانا، صبر کا نہ ہونا، راضی برضا نہ رہنا اور دنیا کی بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہو جانا ہے۔ اور سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ خاتمہ بخیر نہ ہو۔ موت کا فتنہ جانکنی کے وقت شیطان کا وسوسہ ڈالنا، اس کی سختی۔ قبر کا عذاب اور منکر نکیر کا سوال ہے۔ مسیح مسح سے ہے۔ جس کے معنے مٹنے کے ہیں دجال کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آنکھ مٹی ہوئی ہو گی۔ دجال مکار دجل کا مبالغہ ہے جس کے معنے ملاوٹ کرنا اور فریب دینا ہے۔

سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے خداوندا۔ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

ان کے علاوہ اور بھی دعائیں مسند احمد، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں آتی ہیں۔ ان میں سے جو چاہے کرلے سب درست ہیں۔ صحیح بخاری میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثم لیتخیر من الدعاء اعجبه

پھر اپنی پسند کی دُعا کرے۔

اور صحیح مسلم میں ہے۔

ثم لیتخیر من المسئلة ماشاء

پھر اپنے صوابدید سے جو چاہے مانگے۔

بس اتنا خیال رکھے کہ دُعا ماثور ہو یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے منقول ہو۔ اور امام ہونے کی حالت میں لمبی نہ ہو۔ یہ نماز کا خاتمہ ہے۔ اب آخری ذکر صرف سلام باقی ہے۔

آئیے نماز ہی کے سلسلے میں دو مفید باتیں اور سن لیجئے۔ ایک تعدیل ارکان دوسرے خشوع و خضوع۔

تعدیل ارکان

ہر رکن کو سکون و اطمینان سے ادا کرنے کو تعدیل کہتے ہیں۔ عملی طور پر سب اسے ضروری کہتے ہیں۔ اختلاف صرف فکر و نظر کے درجے میں ہے۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں۔ ایسی نماز جو بغیر تعدیل کے ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ اور تعدیل کا کم از کم درجہ یہ ہے، کہ ہر رکن کی ادائیگی میں ہر عضو اپنی جگہ سکون کی حالت میں ہو اور اتنا وقت مل جائے کہ کم از کم اطمینان سے ایک بار سبحان اللہ کہہ لے۔

اگر کسی نے نماز اس احمقانہ طریق سے ادا کی جس میں طمانیت اور ارکان کی تعدیل
نہیں تو اس کی مثال ایسی ہے ۔ جیسے ایک مردہ لاش کہ اس میں وُہ اعضاء تو پورے
ہوتے ہیں جن سے صورت انسانی بنتی ہے ۔ مگر جان نہیں ہے جس کی وجہ سے
انسان انسان بنتا ہے جس طرح اس بے جان لاش کو کوئی شخص انسان نہیں کہہ سکتا
اسی طرح اس بے سکون نماز کو کوئی نماز نہیں کہہ سکتا ۔ اسی بنا پر ارشاد ہے ۔

لا ینظر اللہ الیٰ صلوٰۃ رجل لا یقیم صلبہ بین رکوعہ
وسجودہ

اللہ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی پیٹھ رکوع اور
سجدہ کے درمیان سیدھی نہیں کرتا ۔

نماز میں یہ سکون برقرار رکھنا اور ارکان میں تعدیل برتنا امام ابوحنیفہ رح
کے مشہور شاگرد قاضی ابویوسف رح کے نزدیک فرض ہے ۔ خود امام ابوحنیفہ رح
اور امام محمد رح کے نزدیک واجب ہے ۔ اور حافظ طحاوی نے تو سب کے
نزدیک فرض بتایا ہے ۔ ابن عابدین الشامی فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان کا وجوب
روایت اور درایت دونوں سے ثابت ہے اور سچ یہ ہے کہ جب ایک شخص
اللہ اکبر کہتا ہے اور پھر وہ وقار و اطمینان کو بالائے طاق رکھ کر بے تیز اور
اجڈ کی طرح جلدی جلدی ٹکریں مارتا ہے ۔ وہ حقیقت میں عبادت نہیں کرتا مذاق
کرتا ہے ۔ وُہ اپنے اقرار میں اللہ اکبر کی تکذیب کر رہا ہے ۔ آخر اس اعرابی کی
نماز میں آئینی اعتبار سے کونسی کوتاہی تھی جسے سرکار نبوت نے دوبارہ سہ
بارہ نماز پڑھنے کو کہا تھا ۔ یہی تھا کہ سکون و اطمینان کی دولت سے اس کی نماز کا
دامن خالی تھا ۔ لیجئے دیکھ لیجئے بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے ۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ۔
ایک شخص آیا نماز پڑھی ۔ نماز کے بعد حاضر ہوا ، سلام کیا ، فرمایا جاؤ
پھر نماز پڑھو ۔ تم نے نماز نہیں پڑھی ۔ واپس ہو گیا جا کر پھر نماز ادا

کی۔ پھر آیا سلام کیا۔ فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو۔ تم نے نماز نہیں پڑھی۔
پھر پلٹے نماز ادا کی پھر حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ فرمایا واپس ہو جاؤ۔ نماز پڑھو
تم نے نماز نہیں پڑھی۔ بولا عالیجاہا! مجھے اس سے بہتر نہیں آتی۔
فرمایا جب نماز کے لیے کھڑے ہو تکبیر کہو پھر قراءت کرو۔ پھر
نہایت اطمینان سے رکوع کرو پھر اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو
جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر اٹھو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر
دوسرا سجدہ نہایت اطمینان سے کرو۔ پھر ساری نماز اسی طرح
ادا کرو۔

دیکھئے اس حدیث میں اعرابی کو اطمینان کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور یہی
بات حدیث میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اب آپ سمجھے کہ اسلام کی نظر میں نماز
کے اندر سکون و اطمینان کی کیا حیثیت ہے۔ اس سے نماز کے روحانی نتائج بروئے
کار آتے ہیں۔ دل میں قوتِ ایمانی اور نورانیت کی انشراح اور عبادت کی حلاوت
فرح اور سرور لذت اور دل کی جمعیت وغیرہ وغیرہ نشوونما پاتی ہیں۔

نماز میں خشوع و خضوع

خشوع و خضوع کے معنے لغت میں پستی، ذلت اور نرمی کے ہیں، اور اس
سے مراد اللہ کے سامنے باطن کا سکون ہے، حدیث شریف میں ہے۔

لو خشع قلب ھذا الخشعت جوارحه [1]

اگر اس کا دل جھکا ہوتا تو اس کے اعضاء میں سکون ہوتا

---

[1] مر علیہ الحافظ ابن القیم فی المدارج وسکت علیہ وقال الحافظ ابن رجب روی ذالک عن حذیفۃ وسعید بن المسیب ویروی مرفوعاً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا وجوارح میں بھی خشیت وخوف کا اظہار ہوتا۔ عرفاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مقامِ خشوع دل ہے۔ خشوع وخضوع میں فرق یہ ہے۔ کہ آواز میں اظہار سکنت کو خشوع کہتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وخشعت الاصوات للرحمٰن

مارے خوف کے رحمان کے سامنے آوازیں بیٹھ جائیں گی۔

اور خضوع اعضاء وجوارح سے اظہار سکنت کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے

فظلت اعناقهم لها خاضعين

ان کی گردنیں آیات کے لیے جھک کر رہ جائیں۔

صحابہ کرام کی نمازوں میں نہایت محویت، استغراق، خشوع وخضوع اور اور تضرع وزاری اتنی پائی جاتی تھی کہ قرآن حکیم نے ان کی اس حالت کی تعریف کی ہے۔

قد افلح المؤمنون الذين هم فى صلوتهم خاشعون

کامیاب ہیں وہ ایمان والے جو نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اس قدر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے

حاشیہ صفحہ گذشتہ: لکن باسناد لا یصح (الخشوع فی الصلوٰۃ ص۲)

وقال السیوطی باسناد ضعیف وقال المناوی اخرجه الحكيم الترمذى قال الزين العراقى فى شرح الترمذى فيه سليمان بن عمرو وهو ضعيف وانما يعرف هذا عن ابن المسيب وقال فى المغنى سنده ضعيف والصحيح انه موقوف

کہ ان پر تلاوت میں شدت سے گریہ طاری ہو جاتا تھا، اور کفار کے بچوں اور عورتوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔

حضرت عمرؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔ حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجود یکہ پچھلی صف میں ہوتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت تمیم داری ایک رات تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ام حسب الذین اجترحوا السیئات میں صبح کر دی۔ اسی کو بار بار پڑھتے تھے۔ رکوع کرتے سجدے میں جاتے اور روتے۔

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی صحابہ کرام میں خشوع و خضوع کی یہ حالت قائم رہتی تھی۔ دو بہادر سپاہی ایک پہاڑ کے درّے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حراست کا فرض انجام دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نماز میں مشغول ہو گئے اسی حالت میں دشمن نے ان پر تین تیروں کا وار کیا تیر ان کے جسم میں پیوست ہو گئے لیکن انہوں نے نماز کو جاری رکھا۔ دوسرے ساتھی سو کر اٹھے اور خون آلود زخم دیکھ کر بولے مجھے کیوں نہیں جگایا فرمایا کہ نماز میں ایک سورت پڑھ رہا تھا جس کا ناتمام چھوڑنا مجھے پسند نہ تھا۔

اسے نماز کا خشوع کہہ دیجئے یا نماز کی لذت و حلاوت۔ کہ صحابہ کو حضوریٔ نماز میں محبوب سے محبوب چیز بھی خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتی۔

ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ پھنس گئی اور نکلنے کی راہ تلاش کرنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور تھوڑی دیر تک اسی نظارے میں لگے رہے پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دل نے کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا۔ فوراً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

تشریف لائے اور وقعہ بتلانے کے بعد کہا کہ یا رسول اللہ میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام نہایت سکون واطمینان سے نماز ادا فرماتے۔

اس موقع پر مدارج السالکین میں حافظ ابن القیم نے سوال قائم کرکے بڑا ہی عجیب وغریب جواب لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بے خشوع نماز کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ ــــ فرماتے ہیں کہ نماز کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک قانونی طور پر اس کی صحت۔ دوسری بلحاظ ثواب اس کی مقبولیت ــ جس نماز میں خشوع نہیں ہوتا قانونی طور پر تو وہ درست ہے۔ کیونکہ اس میں نماز کی شرطیں، نماز کے ارکان نماز کے فرائض و واجبات کی تکمیل ہو چکی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی مقبولیت اور اللہ کے یہاں قابل اجر ہونے کے دائرہ ہے۔ مقبول نماز صرف اسی حد تک ہے اور اتنی ہی ہے جہاں تک اور جس قدر اس میں خشوع پایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

نماز میں سے تیری نماز صرف اس قدر ہے۔ جس قدر سمجھ کر ادا کرلے۔

مسند امام احمد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

بندہ نماز ادا کرتا ہے لیکن اس میں سے اسے آدھی، تہائی، چوتھائی، تاآنکہ دسویں تک آپ نے بتایا جو بندے کو ملتا ہے۔

یعنی نماز پوری پڑھی ہے مگر نماز میں خشوع جس قدر ہے اسی قدر مقبول ہے۔ اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں نمازیوں کی فلاح کے لیے خشوع کی شرط لگائی ہے۔

ذکر بعد سلام

علامہ نووی فرماتے ہیں۔ نماز کے بعد اذکار پر علماء کا اجماع ہے —— اس موضوع پر ایک سے زیادہ حدیثیں آئی ہیں۔

صحیح مسلم میں بحوالہ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تین بار استغفار کرتے اور فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

اے اللہ تو ہی سلام ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی ہے۔ اے بزرگی اور عزت والے تو بابرکت ہے۔

امام اوزاعی سے کسی نے دریافت کیا کہ استغفار کیسے ہو۔ فرمایا۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے پورے ہونے کا پتہ اللہ اکبر سے ہوتا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ اکبر بھی کہنا سنت ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرتے تو یہ ذکر فرماتے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اکیلا۔ نہیں کوئی شریک اس کا۔ اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو کچھ تو دے روکنے والا کوئی نہیں اور تو روک دے تو دینے والا کوئی نہیں اور کسی کوشش والے کو کوئی کوشش تیرے قہر سے فائدہ نہیں دیتی۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے حوالے سے آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد سلام پھیر کر یوں کہتے تھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ الْجَمِیْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ

(الوابل الصیب)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی نقصان کا ہٹنا اور کوئی فائدہ پہنچنا اللہ کے بغیر نہیں ہے نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا ہم خاص اسی کی بندگی کرتے ہیں۔ اسی کی نعمت ہے، اسی کی مہربانی ہے اور اسی کی اچھی اور عمدہ تعریف ہے اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں۔ ہم اپنی طاعت کو اسی کے لیے اخلاص سے کرنے والے ہیں۔ چاہے انکار کرنے والے کیسے ہی ناخوش ہوں۔

سنن نسائی میں بحوالہ ابوہریرہؓ حدیث آتی ہے ۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص
ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے ۔ اسے جنت میں داخل ہونے
سے سوائے موت کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے ۔ (الوابل الصیب)
بخاری و مسلم میں ہے ۔
حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ۔ مہاجرین کے نادار طبقے نے ایک روز
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا
یا رسول اللہ ! مالدار طبقہ نے بلند درجات پر قبضہ جما لیا ۔ وہ نماز
پڑھتے ہیں ۔ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں ۔ ہم بھی
روزے رکھتے ہیں ۔ مگر وہ مال کی وجہ سے حج کرتے ہیں ۔ عمرہ کرتے
ہیں جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں ۔ آپؐ نے مہاجرین سے
فرمایا ۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلادوں جس کی وجہ سے تم
اپنے آگے بڑھنے والوں سے مل جاؤ ۔ اور تم سے افضل (اس خصوصی
عمل میں) کوئی نہ ہو ۔ علاوہ اس شخص کے جو یہ کام کرے ۔ مہاجرین
نے کہا ہاں ضرور یا رسول اللہ ! فرمایا ۔ ۳۳ بار تسبیح ، ۳۴ بار
تکبیر ، ۳۳ بار تحمید ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے اس ذکر کی کیفیت
دریافت کی گئی تو کہنے لگے ۔
سُبْحَانَ اللّٰہِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
صحیح مسلم میں ہے ۔
حضرت کعب بن عجرہ کہتے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے ۔ کچھ بعد میں آنے والی ہیں جن کو ہر فرض نماز کے
بعد کہنے والا خسارہ میں نہیں ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار ،
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار ،

"عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی" میں بحوالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد اپنی پیشانی پر دایاں ہاتھ پھیرتے پھر فرماتے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّيَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ رحمان ورحیم ہے۔ اے اللہ دور کر دے مجھ سے رنج اور غم کو۔

دعا بعد نماز

ان اذکار کے علاوہ نمازوں کے بعد دعائیں بھی آئی ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ بخدا میں تجھ سے پیار کرتا ہوں لہٰذا کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑنا۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

اے اللہ میری اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی بندگی پر مدد فرما

مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا

اے اللہ میں تجھ سے فائدہ مند علم، مقبول عمل اور پاکیزہ روزی کا سوالی ہوں

الاذکار میں بحوالہ حضرت انس بن مالکؓ حدیث ہے کہ ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پلٹتے تو فرماتے
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمُرِیْ اٰخِرَہٗ وَخَیْرَ عَمَلِیْ
خَوَاتِمَہٗ وَاجْعَلْ خَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ (الاذکار)
اے اللہ تو میری عمر بہترین آخر عمر کو اور میرے عمل کا بہترین
خاتمہ کو اور میرے دنوں میں بہترین اس دن کو بنا دے جس روز
میں تجھ سے ملوں ۔
سنن نسائی میں بحوالہ حضرت حبیبؓ ہے کہ ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پلٹتے
تو یہ دعا کرتے تھے ۔
اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ
وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ ۔ اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ
مِنْ نِقْمَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا مَانِعَ لِمَا
اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ وَلَا
یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ
اے اللہ ٹھیک کر دے میرے لیے میری اس دین کو جو میرے معاملے
کا آسرا ہے اور ٹھیک کر دے میرے لیے میری اس دنیا کو جس میں
میری معاش ہے ۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی خوشنودی
کے ساتھ آپ کی ناراضگی سے اور میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی معافی
کے ساتھ آپ کے انتقام سے اور میں پناہ مانگتا ہوں آپ کے ساتھ
آپ سے جس کو تو دے روکنے والا کوئی نہیں ، اور جسے تو روک دے
عطا کرنے والا کوئی نہیں ، اور تیرے فیصلہ کو ہٹانے والا کوئی نہیں

کسی بھی کوشش والے کو تیرے مقابلے میں اس کی کوشش فائدہ مند نہیں ہے۔

علامہ نووی نے الاذکار میں ابن السنی کے حوالے سے لکھا ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں۔ میں جب بھی فرض یا نفل نماز کے بعد حضورؐ کے قریب ہوا آپ سے یہ دعا سُنی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَخَطَایَایَ کُلَّهَا اَللّٰهُمَّ انْعِشْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَھْدِنِیْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ فَاِنَّهٗ لَایَھْدِیْ لِصَالِحِھَا وَلَایَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ

اے اللہ میرے گناہ اور خطائیں ساری ہی معاف کر دے۔ اے اللہ مجھ میں امنگ پیدا فرما مجھے بچا۔ اور تو مجھے اعمال صالحہ اور اخلاق صالحہ کی ہدایت دے کیونکہ اچھے اعمال کی راہ بتلانے والا تیرے سوا کوئی نہیں اور برائیوں سے بچانے والا تیرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی احادیث آتی ہیں۔ جسے چاہے اختیار کر لے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کرے۔

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اسود عامری کے حوالے سے حدیث لکھی ہے۔

اسودؓ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے بتایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز صبح پڑھی ہے آپ نے سلام کے بعد رُخ پھیرا اور ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی (رفع الیدین فی الدعا صفحہ ۲۸۱)

مسند احمد اور ابو داؤد میں حضرت مالک بن لیسار کے حوالے سے ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب اللہ سے مانگو تو سیدھے ہاتھ پسار کر مانگو۔ دُعا میں الٹے ہاتھ نہ کرو۔

ترمذی میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے ہے ۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں ہاتھ اٹھا کر اپنے منہ پر پھیرے بغیر نہیں گراتے تھے ۔

آدابِ دُعا

دُعا میں ان تین باتوں کا خاص طور پر خیال رکھے ۔

۱۔ دُعا میں پہلے اللہ کی حمد وثنا کرے پھر حضورِ انورصلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجے ۔ اسے قبولیت میں خاص دخل ہے ۔ فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی دُعا کرے پہلے اللہ کی حمد وثنا کرے پھر میرے لیے درُود پڑھے ۔ پھر دُعا کرے ۔ (الاذکار)

۲۔ اور دوں سے پہلے درُود کے بعد اپنے گناہوں کی مغفرت کی دُعا مانگے ۔ بعدازیں والدین کے لیے ۔ پھر عام مؤمنین کے لیے ۔ قرآن میں اللہ پاک نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی قسم کی ہدایت فرمائی ہے ۔

واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات

اور مغفرت مانگ اپنے لیے اور مؤمنین مردوں اور عورتوں کیلئے

۳۔ عربی میں دُعا مانگے ۔ اِسے بھی قبولیت میں دخل ہے ۔

۴۔ اللہ سبحانہٗ کی وسیع رحمت پر بند نہ لگائے ۔ یوں نہ کہے کہ مجھ پر رحم فرما اور کسی پر رحم نہ فرما ۔ اس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۔ ابوداوُد ، بخاری اور نسائی میں بحوالہ حضرت ابوہریرہؓ حدیث آئی ہے ۔

۵۔ امام ہونے کی حالت میں دُعا میں اپنی تخصیص نہ کرے ۔ ابوداوُد، ترمذی

اور ابن ماجہ میں بحوالہ حضرت ثوبان حدیث آئی ہے۔ کسی کے لیے روا
نہیں ہے کہ امام ہو کر دُعا میں اپنی خصوصیت پیدا کرلے۔
۱۶۔ کافروں اور غیر مسلموں کے لیے دُعا مغفرت نہ کرے ہاں دعاء ہدایت
زندوں کے لیے جائز ہے۔
۱۷۔ کسی محال کی دُعا نہ کرے۔
۱۸۔ دُعا میں بلاضرورت آواز بلند نہ کرے۔ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔
دُعا میں اصل اخفاء ہے۔ حافظ ابن القیم نے "بدائع الفوائد" میں دُعا خفی
کے بہت سے فائدے بتلائے ہیں۔
(۱) آہستہ دُعا عظمت ایمان کی نشانی ہے۔ کیونکہ دُعا کرنے والے کو یہ
یقین ہوتا ہے کہ اللہ پاک دُعا خفی کو بھی سُنتا ہے۔
(۲) زیادہ باادب ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کو باآواز بلند خطاب
کرنا بے ادبی ہے اور للہ المثل الاعلی وہاں تو شاید اس وہم
کی گنجائش بھی ہو کہ آہستہ نہ سنیں لیکن اللہ سبحانہ کی ذات تو شاید اس سے
بالا و بالا ہے۔ اس لیے ادب اور سلیقہ یہی ہے کہ آواز پست ہو اسی لیے
فرمایا:۔
ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ
اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چھپکے چھپکے دُعا کرو۔
(۳) تضرع اور خشوع دونوں دُعا کی جان اور روح ہیں، اور یہ بہ نسبت
اُونچی آواز کے پست آواز سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ عاجز و
مسکین نیازمندانہ حالت میں آواز کبھی اُونچی نہیں کرتا۔ اُونچی آواز میں
طنطنہ ہے اور دُعا میں طنطنہ نہیں بلکہ عجز و مسکنت کی ضرورت ہے۔
(۴) پست آواز کو اخلاص میں بہت بڑا دخل ہے۔
(۵) پست آواز سے دل میں جمعیت حاصل ہوتی ہے، اور اُونچی آواز اس

جمعیت کو پامال کرتی ہے۔

(۶) دُعا میں پست آواز داعی کے اللہ سے قرب کی علامت ہے۔ یہ گویا نزدیک کی نزدیک سے سرگوشی ہے۔ بعید کی بعید کو للکار نہیں۔ اسی قرب کو بتانے کے لیے قرآن میں اللہ پاک نے حضرت زکریا کی تعریف ان لفظوں میں فرمائی ہے۔

اذ نادی ربہ نداءً خفیاً (بدائع الفوائد صفحہ ۲)

جب بلایا اس نے اپنے رب کو چپکے سے بلانا۔

اسی بنا پر امام اعظمؒ کے نزدیک اصل دعاؤں میں اخفا ہے۔ یہ دعا ہی کا اخفاء ہے کہ امام صاحبؒ آمین کو آہستہ فرماتے ہیں۔ یہی حکم درود کا ہے اور یہی حکم تمام اذکار اور ادعیہ کا ہے۔

ذکر نماز تہجد

رات جس میں نیند کے مزے لوٹتے ہیں۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تہجد گزاری میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ سبحانہٗ نے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات عبادت میں گذاری۔

اور یہ ذوق نماز صرف چند صحابہ ہی تک محدود نہ تھا بلکہ بالعموم تمام صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ اس میں صحابہ کرام کو سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اول اول سورہ مزمل کی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرام

تراویح کی طرح راتوں کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ پاک نے صحابہ کرام کی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم
خوفاً وطمعاً ومما رزقنٰھم ینفقون ۔

جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے پکارتے ہیں ۔
اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے
ہیں ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شبانہ نماز میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ مائدہ، اور سورہ انعام پڑھتے تھے، اور جس قدر قیام میں وقت صرف ہوتا اتنا ہی وقت رکوع و سجود میں صرف فرماتے اس لیے اس قدر طویل اور پرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوقِ عبادت اور شوقِ اقتدائے رسولؐ سے لبریز ہو، صحابہ کرام اسی شوق کی تصویریں تھے ۔

حضرت عوف بن مالکؓ ایک بار آپ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھی اور وہ پوری نماز میں ذوق و شوق سے کھڑے رہے۔ ایک بار حضرت حذیفہؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔

یہ شوق صرف چند صحابہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ عموماً تمام صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ تا آنکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی نہ تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ عہدِ نبوت میں نہایت صغیر السن تھے لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوائے آدھی رات ہوئی تو آپؐ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کے آخری رکوع کی تلاوت فرمائی پھر وضو کر کے نماز پڑھی ۔ اس سلسلے میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد اذکار منقول

مثلاً امام محمد بن نصر مروزی نے بحوالہ ربیعہ الجرشی قیام لیل میں لکھا ہے کہ ربیعہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اٹھتے تو کیا فرماتے فرمایا

اللہ اکبر ۱۰ بار، الحمد للہ ۱۰ بار،

سبحان اللہ ۱۰ بار، لا الہ الا اللہ ۱۰ بار،

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ ۱۰ بار

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ یَوْمَ الْحِسَابِ ۱۰ بار،

ایک اور حدیث میں حضرت شریقؓ نے بحوالہ حضرت عائشہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو جاگتے تو۔

اللہ اکبر ۱۰ بار، الحمد للہ ۱۰ بار، سبحان اللہ وبحمدہ ۱۰ بار، سبحان الملک القدوس ۱۰ بار، استغفر اللہ ۱۰ بار، لا الہ الا اللہ ۱۰ بار، اور اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَ ضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ ۱۰ بار پڑھتے تھے، اور پھر نماز تہجد ادا کرتے تھے۔

بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں حدیث ہے۔

تہجد کے لیے اٹھتے تو آسمان کی طرف دیکھتے اور آل عمران کا آخری رکوع تلاوت کرتے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ۔ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ

السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ. وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ. وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ. وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ. وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ. وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ. اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

خداوندا! تیرے ہی لیے ستائش ہے. تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے، اور اے اللہ تیرے ہی لیے تعریف ہے تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا روشن کرنے والا ہے. اے اللہ تیرے ہی لیے تعریف ہے تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے. سب کا مالک ہے، اور اے اللہ تیرے ہی لیے تعریف ہے. تو ہی سچا ہے. تیرا ہی وعدہ سچا ہے اور تیرا ہی ملنا حق ہے، اور تیرا فرمان حق ہے جنت حق ہے، اور دوزخ برحق ہے. قیامت برحق ہے، اور انبیاء برحق ہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں. اے اللہ میں نے تیرے آگے گردن جھکا دی، اور تجھ پر ایمان لے آیا، اور تجھی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیرے ہی آسرے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف فریاد لایا ہوں. پس بخشدے تو مجھے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو کچھ میں نے بعد میں کیا

اور جو کچھ خلوت میں کیا اور جو کچھ جلوت میں کیا تو ہی سب سے
آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی سب سے پیچھے ہٹانے والا ہے ۔
تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۔
اِس کے علاوہ اور بھی اذکار ہیں ۔ مثلاً آلِ عمران کا آخری رکوع ۔ اس کے
بعد مسواک کرنا سنت ہے ۔ بعدازاں وضو کیا جائے ابتدائے وضو میں بسم
اللہ کہنا سُنت ہے

ذکر ختم وضو

مسندِ احمد، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے ۔
حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
گرامی ہے ۔
جو شخص وضو مکمل کرے اور پھر کہے ۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے ۔
اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔
اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھل جائیں گے جس سے جی چاہے
جائے ۔
نسائی کی عمل الیوم واللیلہ میں اور مستدرک حاکم میں یہ الفاظ بھی ہیں ۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ
الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اے اللہ تو مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں میں سے بنا دے ۔ تو پاک ہے اے اللہ اور حمد کا حقدار ہے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ تجھ سے بخشش چاہتا ہوں ، اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں ۔

نمازِ وتر

وتر کی کمیت اور کیفیت کے بارے میں عام ذہن چونکہ تشویش کا شکار ہے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ اختصار کے ساتھ وتر کے بارے میں کچھ ناظرین از کار بھی پڑھ لیں ۔

کمیت کی حد تک نماز وتر کی نماز امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک تین رکعت ہیں ، اور تین رکعتیں دو قعدوں ایک سلام اور قنوت کے ساتھ ۔ اس سلسلے میں چند احادیث ہدیۂ ناظرین ہیں ۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی مشہور حدیث ہے ۔

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول اللہ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً ۔ قالت عائشۃ فقلت یارسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یاعائشۃ ان عینیّ تنامان ولاینام قلبی[1]

حاشیہ اگلے صفحہ ۱۶۶ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ حضور انور ؐ کی نماز
رمضان کیسے ہوتی تھی ۔ حضرت عائشہ ؓ نے بتایا کہ حضور انور ؐ رمضان
اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔
پہلے آپ چار رکعت پڑھتے تھے اور اس کا حسن اور طول بیان سے
باہر ہے ۔ پھر آپ چار پڑھتے تھے اور اس کے بعد آپ تین پڑھتے
تھے ۔ حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ وتر

حاشیہ صفحہ ۱۶۵ ؎ یہ حدیث اس باب میں فیصلہ کن ہے ۔ کہ حضور انور ؐ کا سونا دوسروں
کے سونے سے الگ ہے ، اور آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ سونے کی حالت
میں آپ ؐ کا قلب بیدار ہوتا ہے ۔ دوسروں کی بصارت کے ساتھ بصیرت
بھی سو جاتی ہے ۔ اس لیے وہ سونے کی حالت میں بے خبر ہوتے ہیں ، اور
آپ ؐ باخبر ہوتے ہیں ۔ اسی بنا پر آپ کا خواب وحی ہے ۔ اور آپ کا سونا
ناقض وضو نہیں ہے ۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی نوم کا یہ حال ہے تو موت کا کیا حال ہوگا ۔ کیونکہ موت اور نوم میں باہم تشابہ
ہے یعنی کیا وہ موت کے بعد عام ارواح کی طرح بیکار و معطل ہیں ، یا ان کا یہی
عنصری ادراک و شعور اور فہم و احساس اپنی جگہ بحال ہے ! احادیث سے دوسری
بات کی تائید ہوتی ہے ۔ ملا علی قاری محدث ؒ نے شرح شفاء میں کیسی
عجیب بات فرمائی کہ معتقد معتمد یہی ہے کہ حضور انور ؐ سارے انبیاء کی
طرح اپنی قبر میں حیات ہیں ۔ نبیوں کی روحوں کا مرنے کے بعد بھی دوگونہ
تعلق ہوتا ہے ۔ ایک عالم علوی سے اور ایک عالم سفلی سے ۔ اس لئے وہ
باعتبار قلب عرشی اور باعتبار قالب فرشی ہیں ۔ واللہ اعلم
باحوال ارباب الکمال ۔

(شرح الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اے عائشہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

۲:۔ دار قطنی، مستدرک اور شرح معانی الآثار میں ہے، اور بقول علامہ شوکانی امام عقیلی نے "اسنادہ صالح" کہہ کر اسے سراہا ہے۔

عن عمرۃ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث یقرء فی الرکعۃ الاولی بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکفرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔ حضور انور تین وتر پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

۳:۔ مسند امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔

عن عبد العزیز بن جریج قال سالت عائشۃ ام المومنین بای شیئ یوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان یقرء فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکفرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد

عبد العزیز بن جریج کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں کیا پڑھتے تھے۔ آپؓ نے کہا کہ حضورؐ پہلی رکعت میں سبح اسم

ربک الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایھا الکفرون تیسری میں قل ھو اللّٰہ احد پڑھتے تھے۔

اس کی تائید اور روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ابو داؤد صفحہ ۲۰۸، ترمذی صفحہ ۶۱، ابن ماجہ صفحہ ۸۳، کتاب الوتر محمد بن نصر صفحہ ۱۲۲، مستدرک صفحہ ۳۰۵، معانی الآثار صفحہ ۱۶۸، دارقطنی صفحہ ۱۷۶ وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ مسند امام احمد، کتاب الوتر محمد بن نصر مروزی، ابو داؤد اور معانی الآثار میں ایک اور حدیث آتی ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن ابی قیس قال سألت عائشۃ بکم کان رسول اللّٰہ یوتر قالت باربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث عشر وثلاث

حضرت عبد اللّٰہ بن قیس کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتنے وتر پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین۔

۵۔ مسند امام احمد، قیام لیل محمد بن نصر مروزی، ابو داؤد اور ابن حجر میں ہے

عن سعد بن ھشام عن عائشۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعدھما رکعتین اطول منھما ثم اوتر بثلاث لا یفصل بینھن۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جب عشاء پڑھتے تو گھر تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے۔ پھر ان کے بعد دو رکعت پڑھتے ان سے زیادہ لمبی۔ پھر تین وتر پڑھتے ان کے درمیان فاصلہ نہ کرتے۔

۶:۔ سنن نسائی میں ہے۔

عن زرارۃ بن ابی اوفیٰ عن سعد بن ہشام
ان عائشۃ حدثتہ - ان رسول اللہ علیہ
وسلم کان لا یسلم فی رکعتی الوتر۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔
مشہور محدث محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام لیل میں الفاظ یہ ہیں۔

کان لا یسلم فی الرکعتین الاولیین من الوتر

وتر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اِس موضوع پر میں نے ابا دتاً حضرت عائشہؓ کی روایات پیش کی ہیں۔
اس لیے کہ وتروں کا معاملہ تہجد سے متعلق ہے۔ اور تہجد آپ گھر میں ادا فرماتے
تھے، اور گھر کے کوائف کو حضرت عائشہؓ سے بہتر کون جان سکتا ہے ان روایات
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت
مستمرہ وتروں میں تین رکعت تھی، اور تینوں متصل بلا سلام ہوتی تھیں، اور
حضرت عائشہؓ ہی کے ان لفظوں سے کہ لا یسلم الخ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ
دوگانہ پر قعود ضرور ہوتا تھا۔ لیجئے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک
دفعہ اسی ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو
ڈیرا لگایا تاکہ آنکھوں سے آپ کی شبانہ عبادت کو دیکھیں۔ واقعہ مفصل ہے
اور حدیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے۔

۷:۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں

انہ رقد عند النبی صلی اللہ علیہ
وسلم و فی آخرہ ثم اوتر بثلاث

کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سوئے۔

اور آخر میں ہے۔ کہ پھر آپ نے تین وتر پڑھے۔

۸۔ سنن نسائی اور ترمذی میں ہے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

۹۔ ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔

عن ابی بن کعبؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ. قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ. قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد۔ پڑھتے تھے۔

نسائی نے اسی روایت میں لا یسلم الا فی آخرھن (نہیں پھیرتے تھے مگر ان کے آخر میں) کا اضافہ بھی نقل کیا ہے۔

۱۰۔ مسند امام احمد طحاوی اور نسائی میں ہے۔

عن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوتر فقرء فی الاولیٰ بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی

الثانیۃ بقل یا ایہا الکفرون وفی الثالثۃ
بقل ھو اللہ احد

عبدالرحمن بن ابزی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وتر پڑھے۔ آپ نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ ہمالیہ سے زیادہ مضبوط دس احادیث ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وتروں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تین رکعت تھی اور ساتھ ہی یہ کہ دو گانہ پر سلام نہ ہوتا تھا۔

آئیے جن حدیثوں سے وتر کے ایک ہونے کا شبہ ہوا ہے۔ وہ بھی پڑھ لیجئے۔

الف:۔ ایک ہونے پر سب سے بڑی دلیل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ :۔

من احب ان یوتر بواحد فلیفعل (نیل الاوطار)
جو ایک وتر پڑھنا پسند کرے۔ چاہیئے کہ کر لے۔

دراصل یہ ارشادِ نبوت نہیں بلکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں یہ بات مانی ہے۔

صحح ابو حاتم والذھلی والدارقطنی فی العلل والبیھقی وغیر واحد وقفہ (نیل جلد ۳ صفحہ ۲۶)

ابو حاتم ذہلی نے اور دار قطنی نے علل میں اور بیہقی نے اور ایک سے زیادہ علماء نے اس کو موقوف صحیح کہا ہے۔

بلوغ المرام میں ہے۔ ورجح وقفہ النسائی اور امام نسائی نے

اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے ۔
اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں حافظ صاحب سے اس خیال کی تصویب بھی نقل کی ہے ۔
قال الحافظ وھو الصواب (جلد ۳ صفحہ ۲۶)
حافظ عسقلانی کہتے ہیں کہ یہی درست ہے ۔
ب: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے بھی وتر کا ایک ہونا ثابت کرتے ہیں جس میں یوتر بواحدۃ کی تصریح ہے ، اور ایسے ہی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی جس میں اوتر بواحدۃ آتا ہے در اصل ان دونوں سے استدلال ان جملوں کو غلط معنے پہنا کر کیا جاتا ہے : یوتر بواحدۃ کے معنے وتر ایک پڑھتے تھے ، اور اوتر بواحدۃ کے معنے ایک پڑھ لو بتلاتے ہیں ۔ استدلال میں یہی ایک بنیادی غلطی ہے ۔ یوتر بواحدۃ کے معنے عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے " ایک کے ساتھ وتر بنا دینے کے ہیں ۔ کیونکہ ایتار متعدی ہونے کی وجہ سے موتر اور موتَر دونوں کو چاہتا ہے ۔ اس لیے یوتر بواحدۃ کے معنے یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوگانہ کو ایک رکعت کے ساتھ وتر بناتے تھے اور اوتر بواحدۃ کے معنے یہ ہیں کہ دوگانہ کو ایک کے ساتھ وتر بنادو ، اور اس معنے کی تائید خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے ان لفظوں سے بھی ہوتی ہے ۔
اذا خشیت الصبح فصلّ رکعۃ توتر لک صلاتک
جب تجھے صبح کا ڈر ہو تو تو ایک رکعت پڑھ لے ۔ وتر بنا دیگی یہ رکعت تیرے لیے تیری نماز کو
اس میں موتِر اور موتَر دونوں کا ذکر ہے ۔ اسی وجہ سے حافظ عسقلانی نے

فتح الباری میں "صلّ رکعۃ" کے معنے یہ لکھے ہیں۔

صلّ رکعۃ ای مضافۃ الی الرکعتین مما مضی

ایک رکعت پڑھ لے کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھو۔

اِس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معنے یہی ہیں کہ ایک رکعت ملا کر پہلے دوگانہ کو وتر بنالو۔ اس معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ سے صرف رکعۃ منفردہ پڑھنی ثابت ہی نہیں ہے یعنی سارے دفتر حدیث میں ایسی کوئی روایت نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ نے کسی رات ایک رکعت ہی نماز پڑھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے التلخیص الجبیر میں علامہ ابن الصلاح کا یہ دعویٰ نہایت خاموشی سے نقل کیا ہے کہ

لا نعلم فی روایات الوتر مع کثرتها انه علیه السلام اوتر برکعۃ فحسب (صفحہ ۱۱۶)

ہم نہیں جانتے وتر کی روایتوں میں باوجود زیادہ ہونے کے کوئی روایت ایسی نہیں کہ جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا۔

ج: حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع ولا تشبهوا بصلاۃ المغرب

مت وتر پڑھو تم تین۔ وتر پڑھو پانچ یا سات، اور نہ مشابہ بناؤ تم نماز مغرب کے۔

اس حدیث سے شارع علیہ السلام کا مقصد سمجھنے میں عام نگاہوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ سمجھا یہ گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تین رکعت وتر پڑھنے سے منع فرما رہے ہیں۔ حالانکہ جناب رسالتمآب ﷺ اِس حدیث میں اُمت کو صرف وتر پڑھنے سے بغیر نوافل کے روک کر صلاۃ اللیل کی ترغیب دے رہے ہیں اور چونکہ وتر شریعت میں تین ہی رکعت ہیں اس لیے عدد کا ذکر کیا ہے۔ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ صرف وتروں پر اکتفا نہ کیا کرو۔ بلکہ اس سے پہلے نوافل بھی پڑھا کرو۔ نمازِ مغرب سے مشابہ بنانے کا بھی یہی مطلب ہے کہ جیسے نمازِ مغرب سے پہلے کوئی نماز نہیں ایسے وتر کو نہ بناؤ کہ اِس سے پہلے کوئی نماز نہ ہو، اور چونکہ وتر کی تین رکعت ہیں، اس لیے نمازِ مغرب سے تشبیہ دی ہے۔ اِسی لیے آپ نے تین سے کم عدد کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ پانچ، سات پڑھ لیا کرو۔ اگر تین سے روکنا ہوتا تو یوں فرماتے کہ ایک، پانچ یا سات پڑھا کرو۔ تین نہ پڑھا کرو۔ مگر معلوم ہے کہ یوں نہیں فرمایا بلکہ فرمایا پانچ، سات پڑھا کرو اور حضرت ابوہریرہؓ کی اِس روایت میں جس کی تخریج محمد بن نصر مروزی نے کی ہے اور جسے علامہ عراقی نے صحیح مانا ہے۔ صاف کھول کر بتادیا ہے۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا توتروا بثلاث تشبهوا بالمغرب ولكن اوتروا بخمس اوبسبع او بتسع اوباحدى عشرة ركعة او اكثر من ذالك (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۳۱)

تین وتر اِس طرح نہ پڑھو کہ نمازِ مغرب سے مشابہ ہو جاؤ۔ بلکہ پانچ، سات، گیارہ یا اِس سے زیادہ پڑھا کرو۔

لیجئے اِس میں صاف یہی ہے کہ صرف تین وتر ہی پر اکتفا نہ کرو بلکہ پانچ، سات، نو، گیارہ یا اس سے زیادہ پڑھا کرو۔

د: حضرت عائشہ رض کی اس تین وتر والی روایت سے بھی بڑے زور و شور سے استدلال کیا جاتا ہے جس میں مستدرک اور بیہقی کے حوالے سے لا یقعد الا فی اخرھن (آپ نہیں بیٹھتے تھے مگران کے آخر میں) کے الفاظ بتائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ تین ہونے کی صورت میں درمیان میں بیٹھک نہیں ہے۔ مگر اسے کیا کہیئے کہ خود امام بیہقی نے اِسے بحوالہ ابان نقل کر کے یہ لکھ دیا ہے۔ روایۃ ابان خطا (جلد ۳ صفحہ ۳۱) ابان کی روایت غلط ہے، اور مستدرک چھپا ہوا موجود ہے۔ اس کو دیکھ لیجئے کہیں بھی روایت عائشہ میں "لا یقعد الا فی اخرھن" نہیں ہے، اگر ہے تو صرف یہ کہ لا یسلم الا فی اٰخرھن (آپ نہیں سلام پھیرتے تھے مگران کے آخر میں البنایہ جلد ۱ صفحہ ۸۲۳، فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۳) میں بھی روایت کے الفاظ یہی ہیں پتہ نہیں کہ حافظ عسقلانی نے فتح میں "لا یقعد الا فی اخرھن" کے الفاظ کونسے مستدرک سے نقل کئے ہیں۔ روایت عائشہ کی حد تک علامہ شوکانی بھی یہی کہتے ہیں۔

ھ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں لکھا ہے کہ قد روینا عن ابی بکر و عمر و ابی بن کعب انھم سلموا فی الرکعتین من الوتر۔

اس کا جواب بھی صاف ہے کہ اگرچہ یہ "فی الرکعتین من الوتر" خود معلوم ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہوتی ہیں۔ مگر سلموا کے لفظ سے سلام معروف کا شبہ ہوتا ہے اور اس سے سمجھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ تسلیم کے معنے سلام پھیرنے کے ہیں۔ لیکن دراصل تسلیم کے معنے صحابہ کے عرف میں تشہد پڑھنے کے بھی آتے ہیں۔ یہ لفظ اس معنے میں احادیث میں استعمال ہوا ہے۔ لیجئے یہ چند شہادتیں ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے۔

عن ام سلمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی کل رکعتین تشہد وتسلیم علی المرسلین وعلی من تبعہم من عباد اللہ الصالحین

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضور انور نے فرمایا کہ ہر دو رکعت میں تشہد اور انبیاء اور ان کے پیروؤں میں سے اللہ کے نیک بندوں پر تسلیم ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

عن عقبة بن نافع قال سمعت ابن عمر یقول لیس صلوٰۃ الا وفیہا قراءۃ وجلوس فی الرکعتین وتشہد وتسلیم۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف)

ابن عمر کہتے ہیں ہر نماز میں دو رکعت پر بیٹھک اور تشہد و تسلیم ہے

ایک اور حدیث میں ہے۔

عن علی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین کل رکعتین بتسلیم علی الملائکۃ المقربین ومن تبعہم من المؤمنین والمسلمین

(اخرجہ النسائی)

حضور انور ہر دو رکعت کو ملائکہ مقربین اور مؤمنین و مسلمین پر تسلیم سے جدا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ترمذی ماجاء فی الاربع قبل العصر میں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ یفصل بینھن بالتسلیم۔ امام ترمذی نے بتایا ہے کہ اسحاق بن ابراہیم نے اس جگہ تسلیم کے معنے تشہد کے لیے ہیں۔

احتج اسحاق بن ابراہیم بہذا الحدیث وقال

معنی قوله انه یفصل بینهن بالتسلیم یعنی التشهد

امام اسحاق کا اس حدیث سے استدلال ہے۔ کہ تسلیم کے معنے تشہد کے ہیں۔

ان معنے کو قوت اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوسری احادیث میں حضرت عمر کے بارے میں یہ تصریح آتی ہے۔

عن المسور بن مخرمة قال دفنا ابابکر لیلاً فقال عمر انی لم اوتر فقام فصففنا خلفه فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرهن

ہم نے جس رات حضرت ابو بکرؓ کو دفن کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے وتر نہیں پڑھے اب کھڑے ہوئے اور ہم پیچھے صف بستہ ہو گئے آپ نے تین رکعت پڑھیں اور سلام آخر میں پھیرا۔

صرف حضرت عمرؓ ہی نہیں بلکہ ابن عبد البر نے تمہید میں کھلے لفظوں میں اقرار کیا ہے۔

ذکر ابن عبد البر فی التمهید جماعة من الصحابة روی عنهم الوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرهن منهم عمر و علی و ابن مسعود و زید بن ثابت و ابی ابن کعب و انس رضی الله عنهم

ابن عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے وتر کی تین رکعت آخر میں سلام کے ساتھ ثابت ہے۔ ان میں عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ اور انس رضی اللہ عنہم ہیں

اور میری جانب سے اسی فہرست میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، زید بن خالدؓ، ابو امامہؓ اور عمران بن حصینؓ کو بھی درج کر لیجئے۔ یہ تو ان صحابہ کے نام ہیں جن کے بارے میں تصریح آئی ہے کہ تین وتر پڑھتے تھے۔ اور

دوگانے پر سلام نہ پھیرتے تھے۔ ورنہ اجمالاً تو محمد بن نصر مروزی کی قیام اللیل سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہ میں ائمہ اور رائے عامہ تین رکعت پڑھتی تھی، اور دوگانہ پر سلام نہ ہوتا تھا۔ باقی تابعین اور تبع تابعین سے وہ حضرات جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں۔ ہیں بلا سلام علی الرکعتین۔ انکے اسمائے گرامی بھی سن لیجئے۔

بکر بن رستم، حسن بصری، محمد، قتادہ، بکر بن عبداللہ المزنی، معاویہ بن قرہ، ایاس بن معاویہ، ابوالعالیہ، ابواسحاق، طاؤس، عطاء، حماد، ایوب کذا فی قیام اللیل۔ مدینے کے وہ فقہا کے محدثین جو اصحاب فتویٰ شمار ہوتے ہیں ان کا مسلک بھی احناف کے مطابق ہے۔ مثلاً سعید بن المسیب عروۃ بن الزبیر القاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید عبیداللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار۔

نیز آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام مدینے میں اعلان کرا دیا تھا کہ وتر تین رکعت ہیں۔ درمیان میں سلام نہ ہونا چاہیئے۔

ہم نے وتر کے موضوع پر تفصیل اس لیے کی ہے کہ بعض بزرگوں نے احناف کو تین وتر پڑھنے پر یہ طعنہ دیا ہے کہ اگر وتر کو تین میں منحصر کیا جائے تو معاذاللہ ماننا پڑے گا کہ خدا بھی تین ہیں۔ حالانکہ اس کا آسان طریق پھبتی کسنے کی جگہ یہ تھا کہ سارے دفتر حدیث میں سے ایک حدیث ایسی پیش کر دی جاتی جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رکعت پڑھنے کی تصریح ہوتی اور بس۔ اس لیے ہم نے کھول کر بتایا ہے کہ وتروں میں تین رکعت خود حضور انور کا عمل گرامی ہے۔ اور تین میں وتر کا انحصار کسی کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ خود ذات نبوت کا بتایا ہوا ہے۔ آخر وضو میں بھی تو تثلیث سنت ہے اور استنجا میں تو من استجمر فلیوتر سے امام شافعی اور محدثین نے

ڈھیلوں کے لیے تین ہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ تو کیا ہم یہاں بھی کہیں گے کہ وضو
اور استنجا میں وتر سے تین ہی مراد ہوں تو ماننا پڑے گا کہ خدا بھی تین ہیں۔
معاذ اللہ، اور ایک رکعت پڑھنا حضور کا عمل نہیں بلکہ لوگوں کی اپنی سمجھ ہے۔
کہ وتر بنانے کو وتر پڑھنا سمجھ لیا۔ افسوس کہ اہلِ علم نے اپنی سمجھ کا نام خدا کے
رسُول کی سنّت رکھ دیا ہے۔

نمازِ وتر میں قنوت

وتر کی تیسری رکعت میں تکبیر کہے اور رفع یدین کرے پھر دُعائے قنوت پڑھے
چاہے دعائے ہدایت پڑھے اور چاہے دُعاءِ استعانت پڑھے۔ دعاءِ ہدایت علامہ جزری
نے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے حوالے سے یہ لکھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ
وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ
وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ
وَاِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ
رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ

(حصن حصین صفحہ ۱۷۳)

خداوندا! جن لوگوں کو تُو نے ہدایت کی ہے ان کے زمرے میں مجھے
بھی ہدایت دے اور مجھے دنیاوی اور اخروی آفتوں سے عافیت
میں رکھ۔ ان لوگوں کے زمرے میں جنہیں تُو نے عافیت دے رکھی
ہے اور ان لوگوں کے زمرے میں میری کارسازی کر جن کی تُو نے
مدد کی اور جو تُو نے مجھے عطا کیا ہے اِس میں برکت دے اور مجھے
اس چیز کی بُرائی سے بچالے جو تُو نے میرے مقدر میں لکھی ہے کیونکہ
تیرا حکم سب پر چلتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا جس کا تو نگہبان

ہوا وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس کو تو نے دشمن رکھا وہ ہرگز عزت نہیں پا سکتا۔ تو بابرکت ہے۔ اے ہمارے پروردگار اور تو ہی برتر ہے۔ ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نسائی میں یہ اضافہ ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ

دعاء استعانت بیہقی کی السنن الکبریٰ کے حوالے سے یہ بتائی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ

اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری بہترین تعریف کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اور تیری ناشکری سے بچتے ہیں۔ ہم اس شخص کو چھوڑ دیں گے۔ جو تیرا گناہ کرے گا۔ خداوندا! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے اور تیری خدمت میں شتابی کرتے ہیں، اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرا قطعی اور یقینی عذاب کفار کو پہنچنے والا ہے۔

وتروں میں حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ قنوت پڑھتے تھے۔ بلکہ حضرت عطاء بن ابی رباحؓ سے جب پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا وتروں میں قنوت ہے فرمایا۔

كان اصحاب رسول الله يفعلونه
حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پڑھتے تھے۔

وتروں کی قرأت مسنون

وتروں کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں اخلاص سنت ہے چنانچہ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کی پہلی رکعت میں۔ سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

وتروں کے بعد کا ذِکر

سلام پھیرنے کے بعد تین بار سُبْحَانَ اللهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوس کہنا سنت ہے چنانچہ نسائی اور ابوداؤد میں ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر سے فارغ ہوکر سلام پھیرتے تو تین بار کہتے سُبْحَانَ اللهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوس اور تیسری بار میں آواز کو ذرا بلند کرتے۔

صبح کی سنتوں کے بعد کا ذِکر

امام بیہقی کی السنن الکبریٰ اور مستدرک حاکم میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتوں سے فراغت کے بعد بیٹھے بیٹھے فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَمُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ
تین بار۔ اے اللہ! جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پروردگار میں دوزخ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

ذکر نماز چاشت

مستدرک حاکم میں ہے۔
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی بعد ازاں سو مرتبہ یوں فرمایا۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ
اے اللہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ذِکرِ اذان

بخاری اور مسلم میں ہے۔
حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب تم اذان سنو۔ تو وہ ہی کچھ کہو جو مؤذن کہتا ہے۔
حضرت عمرؓ کی مسلم والی روایت ہے کہ حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہو

ایک ضروری تنبیہ

اذان کے دوران میں انگوٹھے چومنے اور ان کو آنکھوں کو لگانے کی ایک رسم

چل پڑی ہے۔ اِس عمل کے جواز یا استحباب کے لیے جو روائتیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔ ان کے صحیح نہ ہونے کا فیصلہ علامہ طاہر فتنی نے تذکرۃ الموضوعات میں؛ اور ملاّ علی قاری نے الموضوعات الکبیر میں، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں؛ اور علامہ شوکانی نے موضوعات میں کیا ہے بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں انگلیاں چومنے کی تمام روایات کو صرف غیر صحیح نہیں بلکہ موضوع اور جعلی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وُہ لکھتے ہیں۔

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم من المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات۔

وُہ تمام حدیثیں جن میں اذان میں کلمہ شہادت سُن کر انگلیاں چوم کر آنکھوں کو لگانے کا ذکر ہے۔ سب کی سب گھڑی ہوئی اور جعلی ہیں۔

اور مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں۔

والحق ان تقبیل الظفرین عند سماع الاسم النبوی فی الاقامة وغیرها کلما ذکر اسمه علیه الصلاة والسلام مما لم یرو فیه خبر ولا اثر ومن قال به فهو المفتری الاکبر فهو بدعة شنیعة سیئة لا اصل لها فی کتاب الشریعة

اور حق یہ ہے حضورؐ کا نام سُن کر اقامت اور غیر اقامت میں ناخن چومنے پر کوئی خبر اور کوئی اثر نہیں ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ وہ سب سے

ثنا مقتری ہے یہ بہت ہی بُری بدعت ہے ۔اِس کی شریعت
میں کوئی اصل نہیں ۔

اذان کے بعد درُود

اذان کے بعد درُود پڑھنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم
دیا ہے۔ چنانچہ بخاری، مسلم، ابوداؤد میں حدیث ہے کہ :
جب تم اذان سُنو تو ویسے ہی کہو جیسے مؤذن کہتا ہے۔ تم مجھ پر
درُود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درُود پڑھتا ہے۔ اللہ اس پر
دس بار رحمت بھیجتا ہے ۔ پھر میرے لیے اللہ سے "وسیلہ" کی درخواست
کرو ۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے ۔ وہ اللہ کے بندوں میں سے
ایک ہی بندے کو ملے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ میں ہی ہوں جس
نے اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگا میری شفاعت اِس کیلئے
حلال ہوگئی ۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد درُود سنت ہے ۔ اور اذان سے پہلے
جو مؤذنوں نے صلاۃ وسلام کی عادت بنالی ہے ۔ اس کی شریعت میں کوئی
اصل نہیں ہے ۔ بلکہ صاحب سعایہ نے حافظ جلال الدین سیوطی کے حوالے
سے یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ اذان فجر اور اذان جمعہ سے پہلے سلطان صلاح الدین
ایوبی کے زمانے میں ایجاد ہوئی ہے ۔ (السعایہ جلد ۲ صفحہ ۵۴)

اذان کے بعد دُعا وسیلہ

اذان کے بعد درُود پڑھے اور درُود کے بعد جیسا کہ پیچھے پڑھ آئے ہو ۔
یہ دُعا وسیلہ پڑھے ۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث
مرفوع ہے ۔

جو شخص اذان کے بعد یہ دُعا پڑھے گا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہے۔

دُعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ

اے اللہ! اس پوری دکامل دُعا اور قائم نماز کے پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا کر، اور ان کو مقام محمود میں پہنچا جس کا تُونے وعدہ کیا ہے۔

اور بیہقی کی روایت میں

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا

بھی آیا ہے۔

مسجد میں آنے کے آداب

وُہ آداب جو مسجد سے متعلق ہیں، مختلف شعبوں میں منقسم ہیں، اور پھر ہر ہر شعبہ کے لیے متعدد جزئی احکام ہیں، مثلاً آداب کی تقسیم میں، مسجد آنے کے آداب، مسجد کی صفائی و پاکی کے آداب، مسجد میں بیٹھنے اور ذکر و شغل کے آداب وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ ضرورت ہے۔ مذہب کے دلدادہ مسلمان ان کو فکر و نظر کے ساتھ پڑھیں، ان کی حکمتوں کو سمجھیں اور پھر ان مسلمانوں کو بتائیں جن کو دُنیا نے اپنے دام فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

مسجد میں آنے کی نیّت

ہرچیز کی بنیادی اینٹ نیت ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی حدیث جس پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسجد کا ارادہ کرتے ہوئے نیت پاک اور دل صاف ہو۔ قلب دنیاوی گندگیوں سے پاک و صاف ہو۔ نام و نمود، ریا و سمعہ کا چور دل میں چھپا نہ ہو، بلکہ دل محبت مولیٰ سے سرشار اور خشیتِ الٰہی سے معمور ہو اور ایسا معمور جو لرزہ براندام کر رہا ہو۔ اس لیے کہ یہاں ذراسی چوک سے پونجی کے لٹ جانے کا خوف ہے اور اس سے بڑھ کر اندھے غار میں گرجانے کا اندیشہ۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا اور نیت صالحہ کو بتایا۔

وذالك انه اذا توضا فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرجه الا الصلوٰة (بخاری جلد ا صفحہ ۶۹)

یہ ثواب کی زیادتی اس وقت ہے جب اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے لیے نکلے اور فقط نماز کی نیت سے نکل رہا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص میری اِس مسجد میں کسی خیر کی نیت سے آئے اس کی مثال مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے۔ ورنہ وہ اِس شخص جیسا ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکا کرتا ہے۔

اِس سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ثواب میسّر نہیں ہوگا۔ بلکہ الٹا دکھ ہوگا۔

مسجد میں باوضو ہو کر آنا سنت ہے

گھر سے جب چلنے لگے تو وضو کر لیا جائے کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جماعت کی نماز میں ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں اس کی بھی تصریح ہے کہ ثواب کی زیادتی اس وجہ سے ہے کہ وضو کیا اور اچھا وضو کیا اور اس کے بعد خالص نیت سے مسجد روانہ ہوا اور انہی آداب کے ساتھ چلنے پر درجہ کی بلندی اور گناہ کی معافی کی بشارت ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلاتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمس وعشرین ضعفا وذالک انہ اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد لا یخرجہ الا الصلوۃ لم یخط خطوۃ الا رفعت لہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ (بخاری)

مرد کی با جماعت نماز اس کی اس نماز سے جو گھر اور بازار میں پڑھی جائے پچیس گنا بڑھی ہوئی ہے اور وہ زیادتی اس وجہ سے ہے کہ اس نے وضو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کیا اور محض نماز ہی کی نیت سے نکلا۔ اس سلسلہ میں جو قدم اٹھائے گا اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند ہوگا۔ اور اس کا ایک گناہ معاف ہوگا۔

ضرورت بھی ہے کہ دربار خداوندی کے لیے پوری تیاری کے ساتھ چلیں کپڑے بھی صاف ہوں۔ بدن اور جسم بھی پاک ہو اور اعضاء وضو جو وہاں جا کر نمایاں طور پر مصروف مناجات اور اظہار تذلل میں پیش پیش ہوں گے۔ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں۔

نماز کیلئے مسجد جانے کی دُعا

جب نماز کے لیے مسجد میں جائے تو راستہ میں یہ دُعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِىْ قَلْبِىْ نُوْرًا وَّ فِىْ لِسَانِىْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِىْ سَمْعِىْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِىْ بَصَرِىْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ خَلْفِىْ نُوْرًا وَّ مِنْ اَمَامِىْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِىْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِىْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِىْ نُوْرًا

اے اللہ! میرے دل میں اور میری زبان میں نور کر دے، اور میری شنوائی اور بینائی میں نور کر دے، اور میرے پیچھے اور آگے نور کر دے، اور میرے اوپر اور نیچے نور کر دے اے اللہ مجھے نور عطا کر

آراستہ ہو کر مسجد میں آنا سنت ہے،

روانہ ہوتے ہوتے ایک نظر اپنی ظاہری ہیئت پر بھی ڈال لی جائے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہم ایک عظیم المرتبت دربار کو جا رہے ہیں۔ اتنا عظیم المرتبت کہ اسے دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں۔ اس لیے جہاں ہر طرح کی نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو کر جانا ضروری ہے۔ ادب یہ بھی ہے کہ ظاہری ہیئت عمدہ سے عمدہ ہو۔ ایسی عمدہ جو شریعت کی نظر میں خراج تحسین لے سکے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔

اس آیت سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ مسجد کی حاضری میں ہیئت حتی الوسع اچھی ہو۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ۔
یہ آیت اور وہ احادیث جو اس موضوع پر آئی ہیں اس بات میں فیصلہ کن ہیں کہ نماز کے لیے جمعہ کے لیے اور نماز عید کے لیے لباس میں حسن و زینت پیدا کرے خوشبو لگائے اور مسواک کرے کیونکہ یہ آیت کا مطالبہ ہے ۔ (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)

بلکہ اسی آیت سے امام ابوبکر الجصاص نے یہ استدلال کیا ہے ۔ کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مسجد میں حاضری کے لیے ایسے صاف ستھرے اور اجلے کپڑے ہونے چاہئیں ۔ جو ستر پوشی کے ساتھ ساتھ حسن و زیبائی اور سج دھج کے لیے بھی معیاری ہوں ۔

(احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۰)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالیاتی نقطۂ نظر نماز کے لیے کپڑے کے پاک وصاف ہونے کے ساتھ صرف ستھرا اور باجمال ہونے ہی پر اکتفا نہ کرتا تھا ۔ بلکہ وسعت کی حد تک خوشبو لگانے کا بھی حکم فرماتے تاکہ پسینہ وغیرہ کی بُو جاتی رہے اور مسجد میں فرشتوں کو ایذا نہ پہنچنے پائے ۔

مسجد میں وقار و اطمینان سے آنا سنت ہے

مسجد آتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ہم ایک بڑی عبادت کے لیے بڑے گھر کی طرف جا رہے ہیں ۔ اِس لیے رفتار میں پورا وقار ، اعتدال اور سکینت نمایاں ہو ۔ ایسی رفتار ہرگز نہ اختیار کی جائے جس سے دیکھنے والا ہلکا پن محسوس کرے اور عام نظروں میں مضحکہ خیزی کی حد تک پہنچ جائے ۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ نماز کا ارادہ کرنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے ۔ لہٰذا راستہ چلتے ہوئے لہو و لعب ہنسی مذاق اور ناجائز چیزوں پر نظر سے پرہیز کیا جائے اور یہاں بھی حتی الوسع نماز کے خلاف امور سے پورا اجتناب کیا جائے ۔ نگاہ نیچی ، دل

میں محبت وخشیت اور امید وبیم کی کیفیت طاری ہو۔ چہرہ پر تواضع اور تذلل کے آثار ہوں۔ مگر یہ سب کسی اور کے لیے ہرگز ہرگز نہ ہو۔ محض رب العالمین کے لیے ہو اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے

اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلٰوۃ وعلیکم بالسکینة والوقار ولا تسرعوا۔

ترجب اقامت سنو تو نماز کے لیے اس طرح چلو کہ تم پر سکنت و وقار طاری ہو، اور دوڑو مت۔

ایک اور جگہ ہے۔

واتوھا وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا فان احدکم اذا کان یعمد الی الصلٰوۃ فھو فی الصلٰوۃ (مسلم)

نماز کے لیے اس طرح آؤ کہ تم پر وقار و اطمینان ہو۔ جو پالو پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کر لو۔ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکماً نماز ہی میں ہوتا ہے۔

مسجد میں پیدل چلکر آنا سُنت ہے

مسجد میں پیدل چل کر آنا چاہیئے۔ بغیر عذر شرعی سواری سے آنا اچھا نہیں تاکہ ہر قدم کا اجر نامہ اعمال میں لکھا جائے۔

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ پیدل مسجد آنا باعث کفارہ گناہ ہے جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں پُورا قصہ ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰے کی رویت غنود گی کی حالت میں میسر آئی۔ رب العزت نے مجھ سے ملاء اعلیٰ کے بارے میں سوال کیا

میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ آخر کار اس نے اپنا دستِ قدرت مجھ پر ڈالا جس کا اثر میں نے محسوس کیا۔ اس کے بعد رب العزت کی طرف سے پھر وہی سوال ہوا اب میں نے کہا کہ فرشتے کفاراتِ گناہ میں جھگڑ رہے ہیں۔ یعنی کون ایسے عمل ہیں جو گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ میں نے تفصیلی جواب دیا۔ اسی حدیث کا پہلا جملہ یہ ہے۔

والمشی علی الاقدام الی الجماعات (مشکوٰۃ باب المساجد)

جماعت کے لیے پاؤں پاؤں چلنا (باعثِ کفارہ گناہ ہے)

مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرنا سنت ہے،

راستہ اس طرح طے کر کے جب مسجد کے دروازہ پر پہنچ جائیں تو قلب و جگر تھام لیں کہ اب ایک بڑے دربار میں داخلہ ہو رہا ہے۔ علمائے سلف اور صوفیائے کرام کے حالات میں میری نظر سے ایسے واقعات گزرے ہیں جن کا تصور بھی آج کل مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ بعض بزرگانِ دین کا مسجد کے دروازے پر پہنچ کر رنگ بدل جاتا تھا، اور ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔

بہرحال داخل ہوتے ہوئے مسجد میں پہلا دایاں پیر رکھیں۔ پھر بایاں۔ اور فارغ ہو کر جب نکلیں تو اس کے خلاف کریں۔ یعنی پہلے بایاں پیر نکالیں پھر دایاں۔ مگر جوتا وغیرہ پہلے دائیں ہی پیر میں پہنیں کہ طریقہ مسنونہ یہی ہے۔

عن انسؓ انه یقول من السنة اذا دخلت المسجد تبدا برجلك الیمنیٰ واذا خرجت ان تبدأ برجلك الیسریٰ۔ (فتح الباری)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سنّت ہے کہ جب مسجد میں تُو داخل ہو۔ تو پہلے دایاں پاؤں ڈال اور جب نکلے تو پہلے بایاں پاؤں نکال۔

مسجد میں داخل ہونے کی دُعا

جب مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دُعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

مسجد سے نکلنے کی دُعاء

جب مسجد سے نکلے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے اور یہ دُعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

اے اللہ! تجھ سے تیرے فضل و بخشش کی درخواست کرتا ہوں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے کہ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتك واذا خرج فلیقل اللھم انی اسئالك من فضلك

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ پڑھے۔

نماز باجماعت کا تعلق مسجد سے ہے۔ اس لیے مسجد کے تذکرے میں کچھ اس کے متعلق بتانا بھی ضروری ہے۔

نماز مسجد میں شعارِ اسلام ہے

مسجد میں نماز ادا کرنا شعارِ اسلام ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔

فان الصلوٰۃ فی المسجد من اکبر شعائر الدین وعلاماتہ ۔ (کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۰۵)

اسی وجہ سے نماز باجماعت کو اسلام میں بہت بڑی خصوصی مرکزیت حاصل ہے اور اسی کی تاکید قرآن و سنت میں اہمیت کے ساتھ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واركعوا مع الراكعين

اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کیساتھ

اس آیت سے مفسرین قرآن نے جماعت کی نماز مراد لی ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس سے پہلے بالکل متصل اقیموا الصلوٰۃ کا فقرہ آچکا ہے اور واركعوا مع الراكعين اسی کا دوسرا حصہ ہے۔ پہلے فقرے میں اقامت صلوٰۃ کا حکم ہے۔ اگر رکوع کے ایک سے زیادہ معنے نہ ہوتے تو یہ آیت جماعت کی فرضیت کے لیے فیصلہ کن ہوتی۔ مگر چونکہ رکوع کے کئی معنے ہیں۔ اس لیے اس آیت سے وجوب یا کم از سنت مؤکدہ ضرور معلوم ہو رہا ہے۔

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پنج وقتہ جماعت ہر ہر فرد پر سنت ہے جو بغیر عذر شرعی ترک نہیں کی جا سکتی اور تمام مسلمانوں پر درس لگا یہ ہے۔ اگر سب کے سب چھوڑیں گے تو سخت گنہ گار ہوں گے کیونکہ یہ شعار دین ہے (تفسیر عزیزی صفحہ ۱۳۱)

ایک دوسری جگہ قرآن میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوٰة الخ

اور جب تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا محمد ادریس التعلیق الصبیح میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالٰے کا حالتِ خوف میں جماعت کا حکم دینا اِس بات کی دلیل ہے کہ حالتِ امن میں جماعت واجب اور ضروری ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۴)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

اِس آیت سے جن لوگوں نے جماعت کا وجوب سمجھا ہے۔ ان کا استدلال خُوب ہے۔

اس موضوع پر بہت زیادہ حدیثیں آئی ہیں۔ جن سے جماعت کی تاکید نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جی چاہتا ہے کہ لکڑیوں کو جمع کرنے کا حکم دوں۔ پھر اذان کے بعد نماز کے لیے کسی کو لوگوں کا امام بناؤں۔ پھر لوگوں کو جا کر دیکھوں اور جو اِس وقت گھروں میں مل جائیں ان کو جلا ڈالوں۔ خدا کی قسم ان کا حال یہ ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کو ایک موٹی ہڈی یا دو کھُر ہی مل جائیں گے تو پھر وُہ ضرور عشاء میں بھی حاضر ہوں۔

اِسی حدیث سے امام احمد نے یہ بات سمجھی ہے کہ اگر مسجد میں جماعت کی نماز سے غیر حاضری گناہ کبیرہ نہ ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں کو جلانے کی دھمکی نہ دیتے۔ (کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۱)

صحیح مسلم میں ایک لمبی حدیث بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آئی ہے۔ جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔

جسے یہ بات اچھی لگے کہ اللہ تعالیٰ سے حالتِ اسلام میں ملے تو اس کو چاہیئے کہ تمام نمازوں کے لیے جونہی اذان پکاری جائے مسجد میں حاضر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالٰے نے اپنے نبی کے لیے سنن ہدیٰ کو

مشروع فرمایا ہے اور نمازیں سنن ہدیٰ ہی میں سے ہیں اور اگر تم نے بھی منافق کی طرح گھر میں نماز پڑھی تو بلاشبہ تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا تو پھر تم گمراہ ہو جاؤ گے ۔ یاد رکھو جو شخص خوب پاک و صاف ہو کر مسجد کی طرف آتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ اس کے لیے ہر ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے ۔ ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ مٹاتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ بغیر عذر شرعی منافق کے سوا جماعت سے کوئی نہیں کتراتا ۔ کیونکہ مرد مؤمن اگر دو مردوں کے سہارے بھی آسکتا ہے تو آتا ہے اور جماعت سے نماز پڑھتا ہے ۔

(جلد ا صفحہ ۲۳۲)

ان حدیثوں سے یہ بات صاف معلوم ہو رہی ہے کہ نماز با جماعت کے لیے مشقت اور وقت کی قطعاً پروا نہ کرنی چاہیئے ان ہی حدیثوں کی بناء پر فقہاء امت میں محققین جماعت کی نماز کو واجب کہتے ہیں ، اور ابن الھمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فقہ کی بعض کتابوں میں جو جماعت کو سنت کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا وجوب سنت سے معلوم ہوا ہے ۔

(فتح القدیر جلد ا صفحہ ۱۲۹)

نماز با جماعت کا ثواب

اس موضوع پر دو حدیثیں آئی ہیں ۔ ایک بحوالہ حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسری بحوالہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ۔

حضرت ابو ھریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ نماز با جماعت کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلہ میں پچیس گنا زائد ہے ۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز باجماعت
اکیلے کی نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔
اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ ستائیس گنا ہے۔ چنانچہ
یہ بھی صحیح مسلم میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی باجماعت
نماز اکیلے سے ستائیس گناہ زیادہ ہے۔
شارحین حدیث نے ان دونوں کی تطبیق میں مختلف باتیں بتائی ہیں مگر سب سے
اچھی اور پتے کی بات وہ ہے جو حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں لکھی ہے۔
یعنی دونوں صحیح ہیں پچیس کا تعلق سرّی نماز سے ہے اور ستائیس کا جہری نماز
سے ہے۔ پھر اس کی تفصیل لکھ کر اپنی بات کو وزنی بنا دیا۔ اہل علم کی ضیافتِ
طبع کے لیے تفصیل قابل مطالعہ ہے۔
باجماعت نماز انفرادی نماز کے مقابلہ میں پچیس گنا کیوں افضل ہے۔
اس لیے کہ جو شخص نماز باجماعت پڑھتا ہے۔ وہ

۱:۔ مؤذن کی دعوت قبول کرتا ہے۔
۲:۔ اذان سنتے ہی نماز کا اہتمام کرتا ہے۔
۳:۔ وقار و تمکنت کیساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتا ہے۔
۴:۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت دُعا ماثورہ پڑھتا ہے۔
۵:۔ مسجد میں تحیۃ المسجد پڑھتا ہے۔
۶:۔ جماعت کا انتظار کرتا ہے۔
۷:۔ باجماعت نماز کی وجہ سے فرشتوں کی دُعا حاصل کرتا ہے۔
۸:۔ فرشتوں کو اپنے لیے گواہ بناتا ہے۔
۹:۔ تکبیر کے الفاظ کا جواب دیتا ہے۔
۱۰:۔ تکبیر کے وقت وساوس شیطانی سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۱: امام کی تحریمہ کا انتظار کرتا ہے۔
۱۲: تکبیر اولیٰ پاتا ہے۔
۱۳: صف سیدھی کرتا ہے۔
۱۴: امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کا جواب ربنا لك الحمد کہتا ہے۔
۱۵: سہو سے محفوظ رہتا ہے۔
۱۶: جماعت میں خشوع وخضوع کو حاصل کرتا ہے۔
۱۷: جماعت کے موقعہ اچھی حالت کا لباس وغیرہ میں خیال رکھتا ہے۔
۱۸: فرشتوں کے بازوؤں اور پروں کے سایہ میں ہوتا ہے۔
۱۹: امام کی وساطت سے نماز میں قرآن اور ارکان نماز سیکھتا ہے۔
۲۰: شعار اسلام کا اظہار کرتا ہے۔
۲۱: اجتماعی طور پر عبادت میں تعاون کرتا ہے۔
۲۲: جماعت میں شامل ہو کر نفاق کی زد سے بچتا ہے۔
۲۳: امام کے السلام علیکم کی دعا کا دعا ہی سے جواب دیتا ہے۔
۲۴: اجتماعی دعا وذکر کی برکتوں سے ہمدوش ہوتا ہے۔
۲۵: مسلمانوں کے حالات سے باخبر ہوتا ہے۔
یہ پچیس نیکیاں نماز باجماعت کی ایسی ہیں جس سے کسی کو بارائے انکار نہیں۔ دو اور خاص جہری نمازوں سے متعلق ہیں۔
۲۶: امام کے پیچھے امام کی قراءت کو خاموشی سے بغور سننا۔
۲۷: امام کی آمین کے وقت آمین کہہ کر فرشتوں کی موافقت حاصل کرنا۔
(فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)
اس میں شبہ نہیں کہ اکیلے بھی نماز ہو جاتی ہے، اور اس طرح فرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے، مگر بلحاظ ثواب دونوں میں بہت بڑا فرق ہے واضح

رہے کہ یہ ستائیس گنا ثواب مسجد کی نماز باجماعت میں ہے، اگر جماعت سے مسجد میں نہیں بلکہ اور کہیں پڑھی جائے۔ مگر ہو جماعت سے تو پھر ثواب میں تین درجے کی ہو جائے گی۔ (

جماعت میں صفوں کا سیدھا کرنا

صفوں کا سیدھا کرنا نماز میں ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بذاتِ خود اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کا بیان ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو برابر فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، اور جب ہم برابر ہوتے تو آپ تکبیر کہتے۔ (ابوداؤد)

دائیں اور بائیں صفوں کو دیکھ کر فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ اور اپنی صفوں کو سیدھی کرو۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہو جاؤ، اور اپنی صفوں کو سیدھی کرو، اور بائیں جانب متوجہ ہو کر فرماتے درست ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو ٹھیک کر لو۔ (ابوداؤد)

اس قدر تو خود کرتے۔ مزید برآں حضرت بلالؓ جو مؤذن تھے ان کی ڈیوٹی مقرر فرماتے کہ صفوں کو سیدھی کرائیں اور یہ اہتمام اس لیے ہوتا تھا کہ قرآن میں نماز کے لیے "اقامت" کا لفظ استعمال ہوا تھا، اور اقامت کے ایک معنے لغت میں سیدھا کرنے کے بھی ہیں۔ اسی پر متوجہ کرنے کے لیے فرماتے۔

سوّوا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ

اپنی صفیں سیدھی کر لو کیونکہ صفوں کا سیدھا کرنا اقامت صلوٰۃ

سے ہے
اسی "تسویہ" ہی کی خاطر کبھی جماعت میں کسی کا سینہ اُبھرا دیکھ کر ٹوکتے
چنانچہ صحیح مُسلم میں ہے۔
ایک روز تشریف لائے امامت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تکبیر
کہنے کو تھے کہ ایک شخص کا اُبھرا ہوا سینہ دیکھ کر فرمایا۔ اللہ کے
بندو اپنی صفوں کو سیدھی کر و ایسا نہ ہو کہ اللہ تم میں مخالفت
ڈال دے۔
کبھی گردنوں پر نظر پڑ جاتی دیکھ کر فرماتے کہ اپنی صفوں کو ملا کر رکھو۔ اور
قریب قریب ہو جاؤ۔

وحاذوا بالاعناق (ابوداؤد)
گردنیں برابر رکھو۔

کبھی مونڈھے اُبھرے ہوئے دیکھتے تو خاص مونڈھوں کا نام لے کر فرماتے
صفیں سیدھی کرو، اور

حاذوا بین مناکبکم (مسند احمد)
اپنے مونڈھوں کو آمنے سامنے برابر کر و۔

اور کبھی قدموں کے سیدھا کرنے پر زور دیتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے
سوید بن غفلہ کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ حضرت بلال رض ہمارے مونڈھوں کو سیدھا
کرتے اور نماز میں ہمارے قدموں کو مار مار کر ٹھیک کرتے (فتح الباری)
ان سب روایات کا منشا یاد رصرف یہ ہے کہ صف سیدھی ہو اور صف میں
کوئی رخنہ نہ ہو۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔
المراد بذالک المبالغہ فی تعدیل الصف وسد خللہ (صفحہ ۱۷۶)
مقصود صفوں کو سیدھا کرنے اور رخنہ نہ ہونے پر زور دینا ہے۔

اذکارِ جمعہ

حافظ ابن القیم جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں
یہ وہ عظیم المرتبت دن ہے کہ اس میں عبادت کے لیے یکسوئی کرنا اور سارے کاموں سے فراغت حاصل کر لینا مستحب ہے اور اس دن کو دوسرے دنوں کے مقابلے میں خصوصی عبادات کی وجہ سے خاص فضیلت ہے۔

اللہ پاک نے ہر قوم کے لیے عبادت کی خاطر ایک فراغت اور چھٹی کا دن مقرر فرمایا ہے۔ جمعہ کا دن روزِ عبادت ہے۔ اس کی حیثیت دنوں میں ایسی ہے۔ جیسے مہینوں میں رمضان اور راتوں میں لیلۃ القدر کی۔
یوں سمجھو کہ جس کا جمعہ ٹھیک ہو گیا۔ اس کا سارا ہفتہ، اور جس کا رمضان صحیح ہے۔ اس کا سارا سال اور جس کا حج درست ہے۔ اس کی ساری عمر درست ہے۔ گویا جمعہ ہفتہ کے لیے، رمضان سال کے لیے اور حج ساری عمر کے لیے ایک میزان ہے۔

جمعہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث آتی ہے۔
سب دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ ہے۔ اسی میں آدم پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل کئے گئے پھر اسی دن جنت سے باہر ہوئے اسی دن قیامت بپا ہو گی۔

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں جمعہ کی تینتیس خصوصیتیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں مرد مسلمان نماز پڑھے اور اپنے اللہ سے کسی چیز کی درخواست کرے تو اللہ وہ چیز اسے عطا کرے گا مگر وہ گھڑی مختصر ہوتی ہے۔ (مسلم جلد۱ صفحہ ۲۸۱)

یہ ساعتِ استجابت باقی ہے یا اٹھالی گئی؟ ہر جمعہ میں ساعت آتی ہے یا کسی خاص جمعہ میں؟ اس موضوع پر مختلف باتیں کہی گئی ہیں، مگر ان میں پختہ بات یہ ہے کہ قبولیت کی یہ گھڑی باقی ہے اور ہر جمعہ میں آتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں بیالیس خیالات لکھے ہیں۔ ان میں وزنی بات یہی ہے کہ اس قبولیت کی گھڑی کو پوشیدہ رکھا گیا ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر مسلمان اس گھڑی کی تلاش وجستجو میں ہمیشہ ہر جمعہ کو پورے دن رغبت سے عبادت میں مصروف رہے۔

جمعہ کے اعمال اور اذکار

یہ اجتماع ہفتہ وار ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت نے عام نمازوں کے مقابلے میں اس کے کچھ ضروری آداب بتائے ہیں۔ اس کے لیے غسل کا اہتمام، صاف ستھرے اور اُجلے کپڑے اور خوشبو کے استعمال کی رسول اللہ نے تاکید فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں بحوالہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ میں آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے۔

ابوداؤد میں بحوالہ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ حدیث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا، اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی پھر مسجد آیا اور مسجد میں لوگوں کی گردنوں کو نہیں پھاندا۔ پھر نفلیں پڑھیں اور امام کے نکلنے پر نماز سے فراغت تک چپ رہا۔ تو ایک ہفتہ کا

کفارہ ہوگیا۔

جمعہ میں سویرے آنا

نماز جمعہ کے لیے سویرے آنا بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اوّل آنے والوں کا نام لکھتے ہیں، اور سویرے آنیوالے کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اللہ کی راہ میں اونٹ قربان کرے پھر جیسے گائے کی قربانی کرے پھر جیسے مینڈھے کی پھر جیسے مرغی کی پھر جیسے انڈے کی بس جب امام نکل آتا ہے تو ملائکہ اپنے دفاتر سمیٹ کر خطبہ سننے میں لگ جاتے ہیں

جُمعہ کے دن دُرود شریف

جمعہ کے روز درُود شریف کی بہتات کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے چنانچہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت اوس بن اوسؓ کے حوالہ سے حدیث آئی ہے کہ

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دِنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے۔ اِسی دن آدم کی تخلیق ہوئی، اِسی دن ان کی رُوح قبض ہوئی، اِسی دن صور پھونکا جائے گا، اور اِسی دن قیامت کی بیہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درُود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا

درُود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسُولؐ اللہ جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درُود آپ پر کیسے پیش کیا جائیگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ نے زمین حرام کردی ہے یہ بات کہ وُہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔
اور ابن ماجہ میں بحوالہ حضرت ابوالدرداءؓ کے حوالہ سے بھی یہ حدیث آئی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے۔

فنبی اللہ حی یرزق

اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق ملتا ہے

اِسی لیے جمعہ کے دن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود کی کثرت کرنی چاہیئے۔ حافظ ابن القیم نے درُود کی بہتات کے لیے جمعہ کی تخصیص کی وجہ یہ بتائی ہے کہ

حضورِ انور کی ذات گرامی سیدالانام ہے، اور جمعہ کا دن سیدالایام ہے۔ اِس لیے اِس دن میں درُود کو آپ سے خاص لگاؤ ہے، اور پھر چونکہ امت کو جو خیر بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس کا ذریعہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے اللہ نے آپ کی وساطت سے امت کو دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمدوش کیا آپ کی سعادتوں اور کرامتوں میں سے جمعہ کی سعادت ہے کیونکہ اِسی روز لوگ جنّت کے محلات میں جائیں گے۔ اِسی لیے یہ یوم المزید ہے اور دنیا میں یہ امت کیلئے یوم العید ہے۔ اِسی روز اللہ پاک امت کی درخواستیں، ضرورتیں اور حاجتیں پُوری کرتا ہے اور کسی کا سوال رد نہیں کرتا یہ سب سعادتیں اور خوبیاں اُمّت کو آپ کی وجہ سے ملی ہیں۔ اِس لیے آپ کی شکرگزاری اور احسان مندی اور کم از کم آپ کے حق کی آدائیگی یہ ہے کہ اِس دن میں آپ پر درُود کی بہتات کیجائے (زادالمعاد جلد ا صفحہ ۱۰)

اذکارِ صلوٰۃ التسبیح

جمعہ ہی کے تعلق سے یہاں صلوٰۃ التسبیح کے متعلق بھی کچھ سُن لیجئے۔ اِس نماز کے لیے کوئی خاص وقت نہیں بلکہ اوقات ممنوعہ کے علاوہ جس وقت چاہے پڑھ لے۔ رنج و غم اور مصیبت و سختی کے لیے اس کا پڑھنا نہایت مفید ہے۔ حضرت ابوعثمان زاہدی فرماتے ہیں کہ ——————— میں نے رنج و غم اور مصیبت و سختی کے دفع کرنے کے لیے صلوٰۃ التسبیح سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اور اکثر ائمہ اور بزرگانِ دین کا اِس پر عمل رہا ہے۔

جمعہ کے روز دوپہر ڈھلے اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اگر اس میں سجدہ سہو پیش آجائے تو اس میں یہ تسبیح نہ پڑھے کیونکہ پھر گنتی تین سو سے زائد ہو جائے گی۔

امام غزالی احیاءالعلوم میں رقمطراز ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے پھر قرأت سے پہلے ان تسبیحات کو پندرہ بار پڑھے اور قرأت کے بعد دس بار پڑھے پھر اور ارکان میں دس دس بار پڑھے اور دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر نہ پڑھے اور نہ دونوں قعدوں میں پڑھے امام غزالی فرماتے ہیں یہی بہتر ہے۔ امام عبداللہ بن المبارک نے بھی اِسی کو اختیار کیا ہے۔

اِس طریق سے صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی حدیث دار قطنی نے بحوالہ عبداللہ بن جعفر روایت کی ہے۔

تسبیح یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ دار قطنی کی روایت میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا اضافہ ہے۔ یہ بھی اگر پڑھ لے تو بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں نماز تسبیح کی ترکیب اسطرح آئی ہے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ———
چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں فاتحہ اور سورۃ پڑھیں جب
پہلی رکعت میں قراءت سے فراغت ہو تو پندرہ بار تسبیح کہیں
پھر رکوع کریں تو دس مرتبہ۔ پھر قومہ میں دس بار۔ پھر سجدہ اولیٰ
میں دس بار۔ پھر جلسہ بین السجدتین میں دس بار۔ پھر سجدہ ثانیہ میں
دس بار۔ پھر دُوسرے سجدے سے اٹھیں تو جلسہ استراحت میں دس
بار۔ یہ ایک رکعت میں پچھتر مرتبہ ہوا۔ ایسے ہی چاروں رکعتیں پُوری
کریں۔

دونوں صُورتیں روا ہیں۔ علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں۔ کہ کبھی روایت
ابن عباسؓ پر اور کبھی روایت عبداللہ بن المبارک پر عمل کرلے۔
اسی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ۔

اگر آپ ہر روز ایک مرتبہ پڑھ سکیں تو ہر روز پڑھیں اور اگر ہر روز
نہ پڑھ سکیں تو جمعہ کے روز پڑھ لیں، اور اگر ہر جمعہ نہ پڑھ سکیں تو ہر
ماہ میں ایک بار پڑھیں اگر ایسا نہ ہو تو ہر سال میں ایک بار۔ اگر
یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک بار۔

اِس نماز کا فائدہ بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان اقدس
سے گوش گزار کر لیجئے۔ فرمایا کہ

اے چچا! کیا میں آپ کو دس باتیں نہ دے دُوں۔ اگر آپ وہ کام کریں
تو اللہ آپ کے گناہ بخشدے۔ دس باتوں کا عطیہ یہ ہے۔
سارے گناہ۔ اگلے[۱]، پچھلے[۲]، پُرانے[۳]، نئے[۴]، غلطی[۵]، عمد[۶]، چھوٹے[۷]
بڑے[۸]، خلوت[۹] کے، جلوت[۱۰] کے۔ اللہ معاف کر دیگا۔

یعنی نمازِ تسبیح پڑھنے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس چیزوں کا اللہ کی جانب سے عطیہ دیا ہے۔

ذکرِ نمازِ استخارہ

استخارہ کے معنے لغت میں طلبِ خیر یعنی بہتری چاہنے کے ہیں۔
استخارہ یہ ہے کہ آدمی کو کوئی غیر معمولی اور اہم ضرورت درپیش آ جائے۔ اور وہ حصولِ مقصد کے لیے تدبیر کرنی چاہے مگر چونکہ انجام کار معلوم نہیں اس لیے وہ خود اطمینان کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ ناچارہ وہ اپنا معاملہ جنابِ الٰہی میں اس ارادے کے تحت پیش کرتا ہے کہ وہ صحیح تدبیر کے لیے اس کے ارادے میں قوت بخشے اور کام میں برکت دے۔

استخارے کا پس منظر شاہ ولی اللہؒ نے یہ بتایا ہے کہ مشرکین مکہ اپنی معاشرتی ضروریاتِ سفر، شادی، تجارت وغیرہ کے لیے استقسام بالازلام کو اپنائے ہوئے تھے۔ اسلام نے ان کو اس سے روکا اور بتایا کہ یہ بے اصل بات ہے۔ اور اس کے بدلے میں استخارہ کا عمل تجویز کیا۔ استخارے میں آدمی سراپا طلب بن کر پیش پا افتادہ معاملے میں رضائے الٰہی کا جویا ہوتا ہے۔ اور دل میں اللہ کی رحمت کے لیے امنگ پیدا ہوتی ہے۔ تو اللہ کی جانب سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اور شاہ صاحب ہی نے اس کا فائدہ یہ بتایا ہے۔

استخارے کا سب سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے سے ارادہ الٰہی کے مقابلے میں دست بردار ہو جاتا ہے، اور انسان کی حیوانیت اس کی ملکیت کے تابع ہو کر اللہ کے سامنے سراپا تسلیم و رضا ہو جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر انسان کو فرشتوں کا مقام حاصل

ہو جاتا ہے۔ جیسے فرشتے اپنی کارکردگی کے لیے الہام الٰہی کے منتظر رہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی داعیہ سے نہیں بلکہ الٰہی داعیہ سے کرتے ہیں۔ ایسے ہی انسان بھی استخارے میں اسی حالت سے مشابہ حالت کو حاصل کر لیتا ہے۔

اور اس کے بعد روحانی زندگی میں خاص اپنے تجربہ کی بنا پر اس کا نتیجہ یہ بتایا ہے ۔۔۔۔

میری رائے میں زندگی کے اہم کاموں میں استخارے کی کثرت فرشتوں سے تشبہ پیدا کرنے کے لیے ایک تریاق مجرب ہے۔

استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مکروہ اور حرام اوقات کے علاوہ جس وقت چاہے استخارے کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور سورۃ فاتحہ کے بعد جو چاہے سورت پڑھے۔ اس کے بعد نہایت آجزی اور انکساری کے ساتھ یہ دعا مانگے، اور جب اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ پر پہنچے تو اپنی ضرورت کا نام لے۔ مثلاً سفر، تجارت، تعمیر مکان وغیرہ ۔۔۔۔ دعا استخارہ یہ ہے۔

بخاری، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ

فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعے بہتری چاہتا ہوں، اور تیری قدرت کے ذریعے طاقت چاہتا ہوں اور تیری بڑی مہربانی کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں اس لیے کہ تو قدرت رکھتا ہے، اور مجھے قدرت نہیں اور تو جانتا ہے، اور مجھے علم نہیں اور تو تمام پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یہاں کام نام لیا جائے) میرے حق میں میرے دین و دنیا اور میرے انجام کار میں یا دیر سویر کے لحاظ سے بہتر ہے تو اس کی مجھے توفیق دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے۔ پھر مبارک فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین و دنیا اور انجام یا دیر سویر کے لحاظ سے اچھا نہیں تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے باز رکھ اور میری بہتری جہاں ہو وہاں مقدر کر۔ پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔

پھر کام زبان پر لائے اور ضرورت بیان کرے۔

اذکار استسقاء

جس سال بارش بند ہو جاتی اور قحط کے عام آثار نمایاں ہو جاتے تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مقرر کر کے شہر سے باہر تشریف لے جاتے۔ وہاں مسلمان جمع ہوتے اور آپ دو رکعت نماز بلند قراءت سے ادا کرتے۔ نماز کے ساتھ خطبہ دیتے۔ کبھی پہلے اور کبھی بعد میں، اور پھر قبلہ رُخ ہو کر دونوں ہاتھ اُونچے کرتے اور بے حد عجز و نیازمندی سے اللہ کی جناب

میں دعا مانگتے ۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف اور پشت آسمان کی طرف کرتے
اور چادر مبارک کو لوٹاتے ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ۔
اگرچہ آپ نے باراں کے لیے ایک سے زیادہ مرتبہ دُعا کی ہے
اور کئی طرح سے کی ہے ۔ لیکن آپ نے امت کے لیے جس چیز کو
بطورِ سنت چھوڑا ہے ۔ وہ یہی ہے کہ عیدگاہ میں لوگ نہایت
عجز و مسکنت کے ساتھ جمع ہوں ۔ امام ان کو جہری نماز کی طرح دو
رکعت پڑھائے پھر خطبہ دے ۔ قبلہ رو ہو کر چادر پلٹے اور جناب
الٰہی میں دُعا مانگے ۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ نے ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے ۔
لوگوں نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے
کی شکایت کی آپؐ نے عیدگاہ میں منبر پہنچانے کا حکم دیا اور لوگوں
سے کہا کہ کل کو عیدگاہ پہنچنا ہے ۔ دُوسرے روز حضورِ انور صلی اللہ
علیہ وسلم سُورج نکلنے پر عیدگاہ تشریف لے گئے ۔ آپؐ
نے پہلے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے قحط سالی کی شکایت
کی ہے ۔ اللہ نے تم کو دُعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی قبولیت
دُعا کا وعدہ بھی فرمایا ہے ۔

یہ دُعا مانگنا سنت ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا
غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ
وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ

(ابن ابی شیبہ ، ابوداؤد)

اے اللہ ! ہم پر مینہ برسا جو فریاد رسی کرنیوالا ، ارزانی پیدا کرنیوالا

نفع دینے والا ہو۔ نقصان کرنے والا نہ ہو، جلدی برسنے والا ہو۔ اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر اور اپنی وسیع رحمت کو ہر طرف پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو جلا اٹھا۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا

(بخاری)

اے اللہ ہمیں پانی دے۔ اے اللہ ہمیں پانی دے۔ اے اللہ ہمیں پانی دے۔

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا (مسلم)

اے اللہ! مینہ برسا دے۔ اے اللہ! مینہ برسا دے۔ اے اللہ! مینہ برسا دے۔

بادل کو اٹھتا دیکھ کر

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ بادل کو دیکھ کر یہ دُعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اُرْسِلَ بِہٖ اَللّٰھُمَّ سَیْبًا نَّافِعًا

اے اللہ! ہم اس چیز کی بُرائی سے جو یہ بادل لے کر آیا ہے تیری پناہ لیتے ہیں۔ اے اللہ! اس بادل کو بہت برسنے والا اور نفع دینے والا کر دے۔

بارش کی آمد پر دعاء

صحیح بخاری میں ہے کہ بارش کو دیکھ کر یہ کلمات فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ صَیِّبًا نَّافِعًا

اے اللہ! خوب برسنے والا نفع دینے والا مینہ برسا۔
مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ تین یا دو مرتبہ فرماتے۔

بارش کی زیادتی کے وقت دُعاء

جب بارش زیادہ ہوتی اور اس سے نقصان کا اندیشہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالْاٰجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ

(بخاری و مسلم)

اے اللہ! ہمارے اردگرد برسا، ہم پر نہ برسا، اے اللہ! ٹیلے، قلعے، نالے اور درخت اگنے کے مقامات۔

گرج اور کڑک سن کر دُعاء

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گرج اور کڑک کی آواز سنتے تو یہ دُعا فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (ترمذی)

اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے اور عذاب سے ہلاک نہ فرما اور اس کے آنے سے پہلے ہمیں عافیت دے۔

ہوا چلنے کے وقت دُعا

جب ہوا چلتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا

وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ. وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا وَ
شَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ (مسلم)

اے اللہ! میں تجھ سے اِس ہوا کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے۔
اور جس کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی چاہتا ہوں، اور میں اس
ہوا کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے اور جس کے لیے یہ بھیجی گئی ہے۔
اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا (طبرانی)

اے اللہ! اس ہوا کو خیر و برکت والی ہوا بنا۔ برباد کرنے والی
نہ بنا۔ اے اللہ! اس کو رحمت کر عذاب نہ بنا۔

اندھیری چلنے کے وقت دُعاء

اندھیری آتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معوذتین کی تلاوت
فرماتے۔ (ابوداؤد)

اور سنن نسائی اور ترمذی میں ہے کہ یہ دُعا بھی پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ
مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ
هٰذِهِ الرِّيْحِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ

اے اللہ! میں تجھ سے اس آندھی کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے اور
جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اس کی خیر چاہتا ہوں، اور اس آندھی
کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے، اور جس کا اسے حکم ہوا ہے، اس
کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

الغرض ان تمام حالتوں میں ادعیہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان کا شعور ہر وقت

تازہ، ہر وقت زندہ اور ہر وقت کار فرما رہے کہ وُہ خدا کا بندہ ہے، اور اسے دنیا میں خُدا کا ہو کر رہنا ہے۔ اِسی شعور کو بار بار اُبھارنے اور تازہ رکھنے کے لیے اذکارِ منصّہ وجود پر آئے ہیں۔

اذکارِ عیدین

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں

تمام اقوام کا دنیا میں اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لیے ایک نہ ایک دن مقرر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے۔ مدینہ میں بھی قومی تہوار مقرر تھے ان تہواروں میں کھیل کود ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اسلامی زندگی میں ان دو تہواروں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تبدیل فرمادیا۔

تہواروں کا پس منظر تمام قوموں میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں۔ دینی شعائر کی نمائش یا پھر کچھ شخصیتوں کی یادگار۔ اسلام نے اپنے تہواروں میں زیبائش اور آرائش کے ساتھ ذکر اللہ اور عبادت کی ایسی آمیزش کر دی کہ یہ اجتماع صرف لباس کی آرائش و زیبائش ہی کا نہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ کا ایک مخصوص اسلامی اجتماع ہو گیا۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

یہ امر آخر ہے کہ ہم نے اپنی غفلتوں سے اس اجتماع کی افادی رُوح کھو دی آج بھی اگر ارباب فضل و کمال چاہیں تو اِس اجتماع سے ایک بڑی کانفرنس کا کام لیا جا سکتا ہے۔ دین کی باتوں کی اشاعت بخوبی ہو سکتی ہے۔ بہت سے ان مسلمانوں کو جو دین سے نا آشنا ہیں۔ انہیں دین کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع سے بڑا کام لیا۔ تبلیغ و تذکیر میں اس سے بڑی مدد لی۔ کام ہی کی اہمیت کے پیش نظر عید کا خطبہ نماز کے بعد رکھا گیا ہے۔ تاکہ با اطمینان تبلیغ و تذکیر کا کام انجام پا سکے۔

صحیح بخاری میں ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر و عمر یصلون العیدین قبل الخطبۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خطبہ سے پہلے عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔

عیدین میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد کوئی سنت وغیرہ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر میں صرف دو رکعت نماز پڑھی ہے، نہ اس سے پہلے کوئی نفل پڑھی اور نہ ہی بعد میں۔ (بخاری و مسلم)

ان تہواروں میں یہ باتیں ضرور سمجھ لینی چاہئیں۔

۱:۔ عید الفطر میں جانے سے پہلے کچھ کھا لینا۔ اور عید الاضحیٰ میں آنے کے بعد کھانا سنت ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت بریدہؓ کے حوالے سے منقول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں بغیر کھائے نہ جاتے تھے اور عید الاضحیٰ میں بغیر نماز پڑھے نہ کھاتے تھے۔

۲:۔ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے آنا بھی سنت ہے صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول

آیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز ایک راستہ سے جاتے
اور دُوسرے سے واپس تشریف لاتے۔
۲:۔ عید گاہ جاتے وقت یہ ذکر باآواز بلند پڑھتے جاتے۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

نمازِ عید

یہ نماز بھی دُوسری نمازوں کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس میں کچھ تکبیریں زائد ہیں، اور یہ زائد تکبیریں واجب ہیں۔ یہ تعداد میں بترتیب ذیل چھ ہیں۔

۱:۔ تین پہلی رکعت میں استفتاح کے بعد۔
۲:۔ تین دُوسری رکعت میں قرارت کے بعد۔

سنن ابوداؤد میں ہے۔

ابوعائشہ کہتے ہیں کہ سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں تکبیر کیسے کہتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں جنازہ کی طرح تکبیریں کہتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی۔

چار یعنی تکبیر رکوع سمیت۔ ورنہ ایک رکعت میں واجب زوائد تو صرف تین ہیں۔ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے ایک اور حدیث لکھی ہے کہ:۔

ابوعبدالرحمٰن قاسم کہتے ہیں ۔ مجھے کچھ صحابہ نے بتایا ہے کہ حضورؐ نے ہم کو عید کی نماز پڑھائی اور ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہیں نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ۔ بھولنا مت ۔ تکبیر جنازہ کی طرح ہے ۔ اور اپنی انگلیوں سے انگوٹھہ دبا کر چار کا اشارہ کیا ۔

یہ روایات اس میں فیصلہ کن ہیں کہ عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ، حضرت ابومسعود بدریؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کا علامہ زبیدی کی تصریح کے مطابق یہی عمل ہے ۔ (کذا فی الاتحاف)

کچھ حدیثوں میں جو بارہ کا دو رکعتوں میں سات اور پانچ کی تفصیل سے تذکرہ آیا ہے وہ بھی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مختار ہے ۔ اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے ۔ یہ امام ابوحنیفہؒ ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک ہے ۔

تکبیرات تشریق

عیدالاضحیٰ کے دنوں کو نو تاریخ سے لے کر تیرہ تاریخ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں ۔ ان دنوں میں نو ذی الحجہ کی صبح کی نماز سے لے کر تیرہ تاریخ کی عصر تک تکبیرات کہے ۔

سنن دارقطنی میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کی نماز فجر سے آخر ایام تشریق (۱۳ ذی الحجہ) کی عصر تک تکبیرات کہتے تھے ۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کا بھی یہی عمل نقل کیا ہے ۔

تکبیرات تشریق یہ ہیں۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ
اگرچہ تاریخ سنت میں اِس موضوع پر کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ مگر توارث اور تعامل کی وجہ سے اِس مسئلہ میں ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے امام احمد سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ تکبیرات کس حدیث کی بنا پر ہیں۔ فرمایا حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ کے اجتماع کی وجہ سے۔

بیماری اور موت کے اذکار

دُوسری عبادات کی طرح نمازِ جنازہ اور اس کے لوازم کے بارے میں بھی قرآن نے اپنے مخصوص بلیغ انداز میں اشارات کیے ہیں۔ ارشاد ہے۔
لا تصلّ علیٰ احدٍ منھم مات ابدًا ولا تقم علیٰ قبرہ
نہ نماز پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اِس کی قبر پر۔
امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں۔ کہ اِس آیت میں مسلمانوں کو نمازِ جنازہ کی تلقین کی گئی ہے ——— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قرآن کے معلّم ہونے کے ساتھ شارح اور مبیّن بھی ہیں۔ اِس لیے آپ نے قرآن کے اِسی اشارے سے میّت کی تجہیز و تکفین، غسل، نماز اور تدفین کے سارے احکام اپنے اسوۂ حسنہ میں مسلمانوں کے لیے بطورِ سنّت چھوڑے ہیں ——— پھر چونکہ موت کا پہلا مرحلہ یا موت کا مقدمہ بیماری ہے۔ اِس لیے نبوّت نے موت سے پہلے بیماری کے بارے میں مسلمانوں کی رہنمائی ضروری سمجھی اور اس بارے میں نہایت زرّیں ہدایات دے کر ہمیں غلطیوں سے بچانے کا سامان کر دیا۔ اور بیماری اور بیمار

کے بارے میں وہ اصُول و آداب بتائے کہ اگر ہم پُوری طرح ان کو برتیں تو ہمارے معاشرے میں بیمار کی بیماری بھی رشتۂ محبت کی مضبوطی اور تعلقات کی خوشگواری کا ذریعہ بن جائے۔ ورنہ معلوم ہے۔ کہ بیماری بھی بعض اوقات احباب کے درمیان بے لطفی اور تعلقات کی ناخوشگواری حتیٰ کہ کبھی کبھی قطع تعلق کا سبب بن جاتی ہے۔

مریض کی عیادت:

بیمار کی عیادت کی بھی اسلام میں خاص اہمیت ہے۔ عام لوگ اس کی اہمیت اور ضرورت تو جانتے ہیں مگر اس کی نزاکتوں سے بے خبر ہیں حافظ ابن حجر ہیثمی اور علامہ ابن علان صدیقی نے آداب عیادت کے موضوع پر مبسوط بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ عیادت فرض کفایہ ہے، خواہ بیماری کوئی ہو اور چاہے کسی زمانے میں ہو۔ آداب عیادت میں جہاں یہ بات داخل ہے، کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھے۔ یہ بھی ہے کہ بیمار کے نزدیک ہو کر بیٹھے اور مزاج پرسی کرے۔

اس کے جسم کے کسی حصے پر اپنا ہاتھ رکھ لے۔

اِسے صحت اور تندرستی کی امید بندھائے۔

بیماری پر صبر کرنے کی تلقین کرے اور صبر کے فضائل بتائے۔

بیمار سے اپنے لیے دُعا کی درخواست کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو بیمار کی عیادت کی تلقین کرتے تھے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔

حضرت براؓ بن عازبؓ کہتے ہیں، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیمار کی عیادت، جنازے کے ساتھ چلنے، چھینک کا جواب دینے، قسم پُوری کرنے میں ہاتھ بٹانا، مظلوم کی

امداد، دعوت کا قبول کرنا اور اسلام کی نشر و اشاعت کا حکم دیا ہے
ایک دوسری حدیث میں ان چیزوں کو اسلامی حقوق کی فہرست میں داخل
کیا ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے۔
حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے
مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب۔ بیمار کی عیادت، اتباع
جنازہ، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

بیمار کے لیے دُعا

بیمار کی عیادت کو جائے تو اس کے لیے دُعا بھی کرے چنانچہ حضرت عائشہ
فرماتی ہیں کہ
جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم یُوں فرماتے
بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفَىٰ سَقِيمُنَا
بِإِذْنِ رَبِّنَا۔
اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی سے جو ہم ہی میں سے کسی
کے تھوک کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ہمارے پروردگار کے حکم سے ہمارا
بیمار اچھا ہو۔
بخاری اور مسلم میں ایک حدیث ہے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے جاتے
تو اپنا دایاں ہاتھ بیمار پر پھیرتے اور فرماتے۔
اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَاسَ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِي
لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا
اے اللہ اے لوگوں کے پالنے والے تکلیف دُور فرما۔ شفا دے۔ تو ہی

شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں ایسی شفا دے کہ کوئی شکایت باقی نہ رکھے۔

بخاری میں ہے کہ یہ کہنا بھی سنت ہے۔

لَا بَاسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

کچھ حرج نہیں یہ (بیماری گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے اذکار و ادعیہ بھی آتے ہیں۔

آخری وقت کی دعاء

موت کی علامات ظاہر ہوجائیں تو مریض کو یہ کہنا چاہئے ـــــــ بخاری ورمسلم میں ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی

اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملادے۔

ترمذی میں یہ دعا بھی آتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ

خداوندا سکرات موت کے وقت میری مدد فرما۔

مرنے کے وقت ذکر

آدمی کا آخری وقت بہت نازک ہوتا ہے۔ اس وقت مستحب یہ ہے کہ مریض کے پاس بیٹھ جائیں اور آتنی آواز سے کہ میت سن پائے کلمۃ الایمان کی تلقین کریں۔

تلقین کے یہ معنے ہیں کہ جو شخص مرنے والے کے پاس ہو وُہ خود کلمہ پڑھنا شروع کر دے تاکہ وُہ بھی سُن کر پڑھنے لگے اور بیمار سے کلمہ پڑھنے کے لیے نہ کہے کیونکہ وُہ انتہائی نازک وقت ہوتا ہے کہیں انکار نہ کر دے۔ صحیح مُسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے حوالے سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی تلقین کرو۔

ایک دُوسری حدیث میں ہے۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِس دنیا سے رخصت ہوتے وقت جس کی سب سے آخری بات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہوگی۔ وُہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (ابوداوٗد)

قریبِ مرگ آنکھیں بند کرنے کے وقت دُعا

مریض کے پاس بیٹھ کر موت کے قریب پوُری دلداری کے ساتھ نرم نرم اُنگلیوں سے آنکھیں بند کرنی چاہئیں اور لوگوں کو گریہ زاری کے شور سے روکنا چاہیئے اور آنکھیں بند کرتے وقت جیسا کہ صحیح مسلم میں آتا ہے۔ یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ

اے اللہ فلاں شخص کو بخشدے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا مرتبہ بلند کر اور اِس کے پسماندگان میں اس کا نائب ہو جا اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔ اے سارے جہانوں کے پروردگار اس کی قبر کشادہ کر دے اور اسے منوّر فرما۔

اور آنکھیں بند کرنے والے کے علاوہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی دعا کرنی چاہیئے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بیمار یا مردے کے پاس جاؤ تو منہ سے اچھا بول بولو ۔ کیونکہ فرشتے تمہارے بول ہی پر آمین کہیں گے ۔ حضرت ام سلمہؓ حدیث کی راوی کہتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے وقت میں حضورؐ کی خدمت میں آئی عرض کیا ۔ یارسول اللہ ! ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا ۔ آپ نے فرمایا یوں کہو ۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَهٗ وَاَعْقِبْنِیْ مِنْهُ عُقْبٰی حَسَنَةً

اے اللہ ! میری اور اس کی مغفرت فرما اور مجھے اس کا اچھا بدلہ دے ۔

جنازے کے ساتھ جانا

جنازے کے ساتھ جانا بہت بڑی نیکی ہے اور ثواب کا کام ہے ، اور اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد ترغیب دی ہے ۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بحوالہ حضرت ابوہریرہؓ حدیث ہے ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان اور ثواب کی اُمید پر جائے گا ۔ نماز پڑھنے اور دفن سے فراغت تک ساتھ رہے گا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا ۔ اور جو نماز پڑھ کر واپس آجائے گا اسے ایک قیراط اجر ملے گا ۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں قیراط کا وزن احد پہاڑ کے برابر بتلایا ہے ابن المنیر فرماتے ہیں کہ نبوت کا مقصد اجر کی عظمت بتانا ہے (دلیل الفالحین)

مگر یاد رہے جنازے میں عورتوں کا جانا نبوت کو پسند نہیں ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ام عطیہ کے حوالے سے ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔

ہم کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے مگر نہی میں سختی نہیں برتی۔

ام عطیہ ہم کہہ کر تمام عورتوں کی ترجمانی فرما رہی ہیں۔ اسی بنا پر اہل علم اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ دائیں اور بائیں نہ چلنا چاہیئے۔

شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ اونچی آواز سے ذکر یا قرآن کی قرادت مکروہ ہے۔ (فتح القدیر)

اذکار نماز جنازہ

نماز جنازہ ایک حیثیت سے دراصل میت کے لیے ایک دعائی پیمانہ ہے چنانچہ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔

ومقصود الصلوۃ علی الجنازۃ ھو الدعاء للمیت

اور جنازے کی نماز کا مقصد میت کے لیے دعا ہے۔

لیکن طہارت اور قبلہ رُو ہونے اور اس قسم کی دوسری شرائط کی وجہ سے نماز جنازہ کی ایک حیثیت نماز کی بھی ہے۔ اس لیے نماز جنازہ میں دو قسم کے احکام ملحوظ ہیں۔ نماز کے بھی اور دعا کے بھی نماز ہونے کی حیثیت میں شرائط نماز کے ساتھ تکبیرات ہیں، اور دعا ہونے کی حیثیت میں اس کا پیمانہ سارا کا سارا دعائی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عام دعاؤں کا پیمانہ یہ منقول ہے۔

علامہ نووی نے الاذکار میں فضالہ بن عبید کے حوالے سے حضور انورؐ کا

یہ ارشاد گرامی لکھا ہے کہ

جب تم میں سے کوئی دُعا کرے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرے ۔ پھر رسُول اکرمؐ پر درُود بھیجے اور پھر جو چاہے دُعا کرے ۔

نمازِ جنازہ میں بھی بالکل یہی رعایت رکھی گئی ہے ـــــــــ اس میں چار تکبیریں ہیں ـــــــــ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثنا ہے ۔ دوُسری تکبیر کے بعد درُود شریف ہے ۔ تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لیے دُعا ہے ۔ چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے ۔

پہلی تکبیر کے بعد سبحانک اللّٰھم پڑھے ۔ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہیں ہے یہی صحابہؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ائمہ میں امام مالکؒ ، امام ابوحنیفہؒ ، امام سفیان ثوریؒ اور امام سفیان اوزاعی کا مذہب ہے ۔ لیکن صاحب عنیۃ المستملی لکھتے ہیں کہ

لو قرء الفاتحۃ بنیۃ الثناء والدعاء جائز

اگر الحمد بطور دُعا و ثنا پڑھ لے تو درست ہے ۔ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے والوں میں صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ائمہ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں ۔ لیکن اتنی بات یاد رکھئے کہ جو لوگ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں ۔ وہ سورہ فاتحہ کے بعد ہرگز کوئی سورت وغیرہ نہیں پڑھتے ۔

علامہ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں ۔

لا یقرء فیھا بعد الفاتحۃ بشیئ

سورۃ فاتحہ کے بعد کچھ نہ پڑھے ۔

امام نووی فرماتے ہیں ۔

سُورت کا پڑھنا مستحب نہیں ہے ۔ (الاذکار)

سُورت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں اِس لیے ائمہ میں سے کسی کا

مذہب نہیں ہے۔ نیز جو لوگ پڑھتے ہیں وہ دن ہویا رات نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھتے اور علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اس موضوع پر اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے لا نعلم بین اهل العلم فیه خلافاً

دُوسری تکبیر کے بعد وہی درُود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے۔ جو تشہد کے بعد عام نمازوں میں ہے ——— تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے پُورے اخلاص سے دُعا کی جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی دُعا ایسی تو مقرر نہیں ہے کہ جس کے بغیر نماز ہی نہ ہو مگر اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ماثور ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی کتابوں میں ایک سے زیادہ دُعائیں منقول ہیں ——— آپ بھی چند یاد کر لیجئے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر یہ دُعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ

اے اللہ ہمارے زندہ اور مُردہ، ہمارے حاضر اور غائب، ہمارے چھوٹے اور بڑے، ہمارے مرد اور عورت کی مغفرت فرما۔ خداوندا ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ، اور جس کو تو اٹھائے ایمان پر اٹھا، خداوندا ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال۔

صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالکؓ کے حوالے سے ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر دُعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَ اَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَ وَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔

الٰہی اِسے بخشدے اور اس پر رحمت کر اور اِسے نجات دے، اور اس کی خطا معاف فرما، اور اِس کی اچھی مہمانی کر اور اس کا ٹھکانہ عمدہ بنا، اور اِس کی قبر کشادہ کر اور اسے پانی اور برف اور اولے سے دھو کر خطاؤں سے اِس طرح پاک وصاف کر دے جس طرح تو کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیتا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر سے بہتر گھر اور اس کے گھر والوں سے بہتر گھر والے اور دُنیا کی بیوی سے اچھی بیوی بدل دے اور اسے بہشت میں داخل کر اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے بچالے۔

ابو داؤد میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ

اے اللہ تو اس کا رب ہے، تو نے ہی اِسے پیدا کیا اور تو نے ہی اسے اسلام سے نوازا اور تو ہی نے اس کی رُوح قبض کی، اور تو ہی اِس کے ظاہر و باطن سے زیادہ باخبر ہے، ہم اِس کی سفارش کرنے آئے ہیں تو اس کی مغفرت فرما دے۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

اے اللہ فلاں بن فلاں تیرے ذمہ اور تیری پناہ میں ہے تیرے عہد و پیمان پر مرا ہے تو اسے قبر کے فتنے اور عذاب سے بچا، اور تو ہی اپنا وعدہ پورا کرنے والا اور قابل تعریف ہے۔ اے اللہ تو اس کی مغفرت کر اور اس پر رحم فرما۔ بیشک تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے، اور جنازہ اٹھا لیا جائے۔ جنازہ اُٹھنے پر صفیں توڑ دی جائیں

جنازے کے بعد دُعا

نماز جنازہ کے بعد دُعا سنت سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے فقہاء احناف نے نماز جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ لکھا ہے۔ فقہ حنفیہ کی ایک سے زیادہ کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنازہ کے بعد دُعا نہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

خلاصۃ الفتاوی صفحہ ۲۲۵۔ فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۲۳۔ فتاویٰ بزازیہ صفحہ ۲۸۴۔ جامع الرموز جلد ۱ صفحہ ۱۲۵۔ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ فتاویٰ برہنہ صفحہ ۳۶۔ مجموعہ خانی صفحہ ۳۴۹۔ فتاویٰ سعدیہ صفحہ ۱۳۰۔ محیط باب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۵۶۔

دفن کے اذکار

دفن کرتے وقت میت کو جب قبر میں رکھا جائے تو یہ کہنا سنت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

اللہ کے نام سے اور رسول اللہ کے طریقہ پر

ترمذی میں بحوالہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

علامہ نووی نے الاذکار میں لکھا ہے کہ جب قبر پر مٹی ڈالنے کا وقت آئے تو پسندیدہ یہ ہے کہ تین بار ڈالیں پہلی بار مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا) دوسری بار وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (اور اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے) اور تیسری بار وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (اور اسی سے تم کو دوبارہ نکال کھڑا کر دیں گے) پڑھیں۔

دفن کے بعد قبر پر دعا سنت ہے

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا سنت ہے۔ ابوداؤد میں ہے

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن سے فراغت کے بعد قبر پر ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے

نیز امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں حضرت عثمانؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی پہلی آیات مفلحون تک اور اٰمن الرسول سے آخر رکوع تک پڑھا جائے۔
(حصن حصین صفحہ ۲۹۲)

ایک ضروری تنبیہ

دفن کے بعد بالا امور یعنی دعا وغیرہ تو قبر پر ثابت ہے لیکن قبر پر اذان کا ثبوت نہ تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ نہ صحابہ کرام سے نہ تابعین اور نہ تبع تابعین سے ہے بلکہ فقہاء احناف نے فقہ حنفیہ کی کتابوں میں اس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن شامی لکھتے ہیں کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان سنت نہیں ہے۔
(جلد ا صفحہ ۶۵۹)

اور فقہ کی کتاب درر البحار میں ہے۔

من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر بعد الدفن

ہندوستان میں رائج شدہ بدعتوں میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان ہے۔

فقہاء حنفیہ کی یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ خلاف سنت بھی ہے اور بدعت بھی۔

تعزیت کے لئے جانا اور اس کے آداب

میت کے گھر والوں کی تعزیت سنت ہے ———— تعزیت دلاسا دینے اور صبر کی تلقین کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے تعزیت کرنے والے کو خاص ہدایت دی ہے۔ چنانچہ بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں ہے۔

جب تم میں سے کوئی کسی کی تعزیت کرے تو اوّلاً اسے سلام کرے اور پھر یوں کہے۔

انّ للہ ما اخذ وللہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب

یقیناً جو کچھ اللہ نے لیا اور دیا سب ہی اللہ کا ہے، اور ہر ایک کی اس کے پاس ایک مقررہ مدت ہے، چاہیئے کہ صبر کرو، اور اللہ سے اجر و ثواب کی پوری امید رکھو۔

اور کبیری میں اس کا بیانہ ذکر بھی لکھا ہے کہ تعزیت کے موقع پر یوں کہے

اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَكَ وَاَحْسَنَ عَزَاءَكَ وَغَفَرَ مَیِّتَكَ

اللہ تیرا اجر بڑا کرے اور تیری تعزیت اچھی کرے اور تیری میت کو بخشدے۔

تعزیت کے لیے جانا ضروری نہیں ہے خط کے ذریعے بھی تعزیت ہوسکتی ہے۔

جناب رسول اللہ ؐ کا ایک تعزیتی خط

حضرت معاذ ؓ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیتی گرامی نامہ لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے معاذ بن جبل کی طرف۔ السلام علیکم۔ میں تمہارے سامنے اللہ سبحانہٗ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ حمد و ثنا کے بعد اللہ پاک تمہیں اجر عظیم اور صبر جمیل کی نعمت ارزانی فرمائے، اور ہمیں

اور تمہیں شکر کی توفیق دے۔ بلاشبہ ہماری جانیں، ہمارے مال، ہماری بیویاں اور ہمارے بال بچے اللہ پاک کی مبارک اور عمدہ بخششیں ہیں، اور امانتیں ہیں ان سے ایک مقررہ مدت تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور ایک مقررہ وقت پر وُہ ان کو اٹھا لیتا ہے۔ جب وُہ عطا کرے تو ہم پر اس کا شکر فرض ہے اور جب وُہ اسی سلسلے میں آزمائش لے تو ہم پر صبر ضروری ہے۔ تمہارا لڑکا بھی اللہ کی بخشش اور اس کی امانت تھا۔ اللہ نے اسے دُنیا کے لیے قابلِ رشک اور تمہارے لیے قابلِ مسرت بنایا تھا۔ اور جب چاہا تو اس کو تم سے واپس لے لیا، اور اس کے بدلے میں تم سے بڑے اجر و ثواب اور رحمت ہدایت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے صبری تمہارے اجر کو ضائع کر دے اور اس کے نتیجے میں تم پشیمان ہو۔ خوب یاد رکھو بے صبری سے نہ تو گئی ہوئی چیز واپس آتی ہے اور نہ غم دُور ہوتا، اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ والسلام

(مستدرک حاکم)

یاد رہے کہ تعزیت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا سنت ہے مگر صرف اسی حد تک جہاں تک شریعت سے ثابت ہے۔ تین دن تک تعزیت کی اجازت ہے لیکن گلیوں، کوچوں اور گھروں کے سامنے بیٹھنا اور چٹائیاں، دریاں وغیرہ بچھا کر حقہ سلگا کر بیٹھ جانا۔ یہ تمام امور مزاجِ شریعت کے خلاف ہیں۔ اِن سے بچنا ضروری ہے ——— فقہاءِ حنفیہ نے اس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں۔

ولا بأس بالجلوس لها الى ثلاثة ايام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط

والاطعمة من اهل الميت

تین دن تک بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ کسی ممنوع کا
ارتکاب نہ ہو۔ مثلاً چٹائیوں وغیرہ کا بچھانا اور میت والوں
کی جانب سے کھانوں کا اہتمام۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

یہ مکروہ ہے کہ وہ گھر کے دروازے پر بیٹھیں اور ملک عجم میں جو یہ
کارروائی کی جاتی ہے۔ کہ لوگ چٹایاں اور دریاں بچھاتے ہیں۔ تو قبیح
ترین امر ہے

بلکہ علامہ الشرنبلالی حنفی نے مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں یہاں تک
لکھ دیا ہے کہ

متاخرین ائمہ احناف کی اکثریت کہتی ہے کہ لوگوں کا میت والے کے
گھر اِس مقصد کے تحت جمع ہونا کہ تعزیت کرنے والے آئیں گے۔
مکروہ ہے لوگوں کو چاہیئے کہ دفن کے بعد منتشر ہو جائیں اور اپنے
اپنے مشاغل میں لگ جائیں اور میت والے کا گھر کے دروازے پر
بیٹھنا مکروہ ہے اِس لیے کہ جاہلیت والوں کا عمل ہے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔ (صفحہ ۱۰۸)

اور شاہ عبدالحق حنفی رقمطراز ہیں۔

ونشستن بر در یا بر راہ برائے عزا مکروہ است اشد کراہت از
جہت بودن آں عمل جاہلیت۔ (شرح سفرالسعادت صفحہ ۲۷۳)

تعزیت کے لیے گھر کے دروازے یا سر راہ بیٹھنا مکروہ ہے۔
بہت زیادہ مکروہ کیونکہ یہ عمل جاہلیت ہے۔

ان تصریحات سے یہ معلوم ہو گیا کہ تعزیت کا جو طریقہ آج کل رائج ہے۔ وہ
ازروئے فقہ حنفیہ مکروہ ہے۔

زیارتِ قبور کے اذکار

زیارت قبور ان الفاظ میں سے ایک لفظ ہے جس کا مفہوم عام ذہنوں سے نکل گیا ہے۔ بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں کہ شرعاً زیارت قبور کی کیا حقیقت ہے کس نوعیت کے قبرستان جانے کو زیارت قبور کہا جاتا ہے۔ اس کے شرعی احکام کیا ہیں۔ اِس سے شریعت کا مقصد کیا ہے۔ اِسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ لوگ اس کا استعمال غلط کر رہے ہیں ــــــ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ زیارتِ قبور کیوں کی جاتی ہے۔ آیئے یہ بات ہر انسانی رائے اور خیال سے آزاد ہو کر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں معلوم کر لیجئے۔

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے حدیث آئی ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا (اب تم کو اجازت ہے) زیارت کر لیا کرو۔ زیارت قبور تمہیں زاہد بنائے گی اور آخرت کو یاد کرائیگی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ دِل میں نرمی پیدا کرے گی اور آنکھ کو اشک آلود بنائے گی۔ اس ارشاد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا مقصد زیارت قبور سے یہ ہے کہ

۱۔ زیارت قبور کے ذریعے ہر فرد خداوند عالم کے مقابلے میں اپنی خود مختاری سے عملاً دستبردار ہو کر دنیا میں زاہدانہ زندگی بسر کرے۔

۲۔ ہر شخص کے ذہن میں دنیا کی بے ثباتی اور اللہ پاک کی عدالت میں پیش ہونے کا یقین اِس عملی مشق کے ذریعے اس طرح جاگزین کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی شخصی ذمہ داری کے احساس سے دب کر قانون الٰہی کی اطاعت کرے۔

۳۔ ہر فرد کے اندر اہل قبور کی بے بسی اور بے کسی کو سامنے رکھ کر یہ رُوح پھونک دی جائے کہ اللہ پاک کے علاوہ دنیا میں ہر ایک کی بندگی سے عملاً وعلماً دستبردار ہو جاتے۔

۴۔ مرنے کے بعد بھی رشتہ داروں، ہمدردوں اور عام مسلمانوں کی ہمدردی سے سینے کو معمور رکھے اور جس طرح ان کی زندگی میں ان سے ملاقات کرتا تھا اور ہدایا و تحف سے اس ملاقات کو بڑھاتا تھا۔ موت کے بعد بھی یہ تعلق قائم رکھے۔ ملاقات کے ارادے سے قبرستان جائے اور اپنے اعمال خیرات، صدقات اور دُعاؤں کو سوغات بنا کر ان کی طرف روانہ کرے۔

یہی وہ مقاصد ہیں جو زیارت قبور میں شریعت نے ملحوظ رکھے ہیں۔
حکیم الامت شاہ وَلی اللہؒ فرماتے ہیں۔

وھی انھا تذکر الموت وانھا سبب صالح للاعتبار بتقلب الدنیا۔ (حجۃ اللہ صفحہ ۳۸)

یہ موت کی یاد دہانی کا سبب ہے اور دنیا کی بے ثباتی سے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

اسی بنا پر فقہائے احناف نے قبرستان میں جا کر جن اعمال کے کرنے کا مشورہ پیش کیا ہے اس میں اس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ صرف وہ کچھ کرے جو اس موضوع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور جس کے کرنے کی آپؐ نے امت کو ہدایت کی ہو چنانچہ شیخ ابن الہمامؒ فتح القدیر میں رقمطراز ہیں۔

والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم عند الخروج الی البقیع (جلد ا صفحہ ۴۷۳)

زیارت قبور میں صرف قبور کی زیارت اور کھڑے ہو کر دُعا مقرر

ہے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کے قبرستان میں جا کر کرتے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں امت کو جو ہدایات دی ہیں وہ صحابہ کے حوالے سے حدیث کی مستند کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ۔

حضرت عائشہ رضؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میں قبرستان جاؤں تو کیا کہوں۔ فرمایا۔ یوں کہو۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ

اے اس گھر کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور اللہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ضرور ملنے والے ہیں

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ ہی فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بقیع میں جاتے تو یوں فرماتے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاَتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ (مسلم)

اے اس گھر میں رہنے والے مومنو! تمہیں سلام ہو تم پر وہ تو چیز آگئی جس کا کل تم سے دیر سویر کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ اہل بقیع کی مغفرت فرما

ایک اور حدیث میں حضرت بریدہ رضؓ نے بتایا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قبرستان جاتے وقت یہ سکھاتے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الدِّیَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ

(مسلم)

اے اس بستی کے رہنے والے مومنو! تم پر سلام ہو ہم بھی انشاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے واسطے عافیت چاہتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

زیارت قبور کرنے والوں کو قبرستان میں جا کر تلاوت قرآن، ذکر اور اہل قبور کے لیے خوب دعا کرنی چاہیئے۔

منزلی اذکار

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک شانِ جامعیت رکھتی ہے اور اس جامع زندگی کا کوئی گوشہ بھی ذکر الٰہی کی گرمی سے خالی نہیں ہے ——— اس لیے اب ہم یہاں وہ اذکار بیان کرتے ہیں ۔ جن کا منزلی زندگی سے تعلق ہے ۔

صُبح کو سوکر اُٹھنے کا ذکر

تہجد کے اذکار میں ان کی تفصیل آچکی ہے ۔ یہاں اجمالاً اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ نیند سے بیدار ہوتے وقت یہ ذکر سنت ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ ۔

اِس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اُٹھ کر جانا ہے ۔

صُبح وشام کے اذکار

قرآن پاک میں صبح وشام کے اذکار پر ایک سے زیادہ مقامات پر اللہ پاک نے زور دیا ہے ۔ مثلاً ۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

اور تسبیح کرو اس کی صبح وشام

ایک دُوسری جگہ ہے ۔

وسبح بحمد ربك بالعشی والابکار
اور تسبیح کر اپنے رب کی شام اور صبح ۔
ایک اور مقام پر آیا ہے ۔
فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب
پس پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور
غروب ہونے سے پہلے ۔
ان قرآنی ہدایات کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح وشام کے اذکار تفصیل سے بتائے ہیں ۔
صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام یہ پڑھتے تھے ۔
اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. رَبِّ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ ۔
ہم نے اور سارے ملک نے خدا کے لیے صبح کی ۔ سب تعریف خدا کے لیے ہے ۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا و اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے ملک اور اسی کے واسطے حمد ہے ، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔ اے میرے پروردگار جو کچھ اس دن میں ہے اور جو کچھ اس کے بعد ہوگا ۔ میں تجھ سے اس کی بہتری اور بھلائی مانگتا ہوں اور اس دن کی برائی اور

اس دن کے بعد کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے پروردگار میں کسل مندی اور بُرے بڑھاپے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے پروردگار میں عذابِ دوزخ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔

نوٹ:۔ شام کی دعا میں اَصْبَحْنَا اور اَصْبَحَ کی جگہ اَمْسَیْنَا اور امسیٰ پڑھا جائے۔ ترمذی میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو معوذتین اور سورۂ اخلاص پڑھنے کی ہدایت کی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سیدالاستغفار شام کو پڑھے اور اگر رات کو انتقال ہو جائے تو جنت میں جائے گا اور اگر صبح پڑھے اور اس دن میں انتقال ہو جائے۔ تو جنت میں جائے گا۔ سیدالاستغفار یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور بقدر استطاعت تیرے عہد و پیمان پر قائم ہوں جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی بُرائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جو تو نے مجھ پر انعام کیا ہے اس کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہ کا معترف ہوں پس تو میری مغفرت فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔

ترمذی میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو صبح و شام کی یہ دعا بتائی۔

اَللّٰھُمَّ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِہٖ۔

اے اللہ غائب وحاضر سے باخبر، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ ہر چیز کے مالک و مربّی، میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے اپنے نفس کی برائی، شیطان کی شر اور اس کے شرک سے پناہ مانگتا ہوں۔

ترمذی میں ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ حضور پر انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام تین بار یہ پڑھے اسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین و آسمان میں نقصان نہیں دے سکتی اور وہ ہی سننے والا، جاننے والا ہے

ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن غنامؓ کہتے ہیں کہ جو صبح و شام یہ کہے اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اَللّٰھُمَّ مَآ اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

خداوندا جو بھی نعمت مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو ملی وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ تو یکتا و یگانہ ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیرے ہی لیے حمد اور تیرے ہی واسطے شکر ہے۔

مستدرک حاکم اور سنن نسائی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا کو صبح و شام ضرور پڑھتے تھے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ۔

اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں سلامتی چاہتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں معافی اور امن اپنے دین میں۔ اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل میں اور اپنے مال میں۔ اے اللہ میرا عیب چھپا لے اور میرے خوف کو امن سے بدل دے۔ اے اللہ میری حفاظت فرما میرے آگے سے اور پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں ناگہاں نیچے سے پکڑ لیا جاؤں

ان آیات قرآنی کے پڑھنے کی بھی تلقین آئی ہے۔

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ سورہ حشر کی آخری آیتیں۔ (ترمذی)

فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ تا وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ۔ سورہ روم۔ (ابوداؤد)

اٰیۃ الکرسی (ترمذی)

ان کے علاوہ ان اذکار کی بھی صبح و شام فضیلت آئی ہے۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۔ سات بار (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی)
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ دس بار
(نسائی)

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ ۔ سو بار (مسلم)
سُبْحَانَ اللّٰهِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَللّٰهُ
اَكْبَرُ ۔ سو بار (ترمذی)
درود شریف ۔ دس بار (معجم طبرانی)

رات کو سونے کی دعائیں

سونے کے وقت کی بھی احادیث میں متعدد دُعائیں آتی ہیں ــــــــ
صحیحین میں حضرت خذیفہؓ کے حوالے سے حدیث آتی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے یہ پڑھتے
بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی
تیرے ہی نام پر اے اللہ میں مرتا اور جیتا ہوں ۔
صحیحین ہی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر تشریف لاتے تو
اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کرتے معوذتین اور سورۃ اخلاص
پڑھتے اور پھونک مار کر اپنے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور ایسا
آپ تین بار کرتے ۔
صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے ہے ۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب تم میں
سے کوئی بستر سے اٹھے اور پھر واپس ہو تو اسے چاہیئے کہ

بستر تین بار جھاڑلے۔ اور جب لیٹے تو یہ پڑھے۔

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ فَاِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ۔

تیرے نام پر اے اللہ میرے پروردگار میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیری ہی مدد سے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر بھیجے تو اس کی ایسی حفاظت کر جیسی تو اپنے نیک بندوں کی کرتا ہے۔

بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو وصیت آئی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ جب تم دونوں سونے کے لیے بستر پر جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہو۔ یہ تمہارے لیے نوکر سے اچھا ہے۔

ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھتے اور تین بار فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ

اے اللہ جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھائے مجھے اپنے عذاب سے بچالے۔

ترمذی میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہے کہ

حضور انورؐ جب بستر پر جاتے تو تین بار یہ پڑھتے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ
میں اللہ سے بخشش کا طلب گار ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور سنبھالنے والا ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

صحیحین میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی نصیحت فرمائی ہے کہ

جب تم سونے کے لیے جاؤ تو وضو کرو پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَ اَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّ رَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَ نَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ

خداوندا میں نے اپنی جان تجھے سونپ دی اور اپنا رُخ تیری طرف کر دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور اپنی پیٹھ تیری طرف رکھ دی۔ تیری رغبت اور خوف سے تجھ سے سوائے تیرے کوئی ٹھکانہ اور پناہ نہیں۔ تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری۔ اور اس نبی پر جس کو بھیجا۔

اور فرمایا کہ
اگر تو اس رات مر گیا تو تو بس فطرت پر ہے اور سوتے وقت یہ کلمات تیرے آخری بول ہوں (الوابل الصیّب)

سوتے سوتے جاگنے کا ذکر

صحیح بخاری میں حضرت عبادہؓ کا بیان ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب رات
کو جاگ جاؤ تو یوں کہو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ
لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک
نہیں۔ اسی کو بادشاہی ہے وہی قابلِ تعریف ہے اور وہ ہر چیز
پر قدرت رکھتا ہے، خدا کی ذات قابلِ حمد اور پاک ہے، خدا کے
سوا کوئی معبود نہیں، خدا سب سے بڑا ہے، طاقت اور قوت
اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔

آدابِ طعام

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کھانے کے آداب کے موضوع پر بدورِ بازغہ میں
بتایا ہے کہ۔

پہلے ہاتھ منہ صاف کرے اور پھر اطمینان سے بیٹھے، کھانا دستر
خوان پر رکھے، زمین پر یا ٹیبل پر نہ رکھے۔ اپنے آگے سے کھائے
کھانے میں خیال رکھے کہ بے تمیزی نہ ہو۔ جلدی اور تیزی نہ ہو،
لقمے بڑے بڑے نہ ہوں۔ یہ سب حرص اور بے تمیزی کی نشانیاں
ہیں۔ کھانا اور پینا ہمیشہ بھوک اور پیاس کی سچی خواہش کے وقت

ہونا چاہیئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تین انگلیوں سے کھانا کھانے کی تھی۔ اگرچہ بعض حدیثوں میں پانچ انگلیوں سے بھی کھانا ثابت ہے لیکن تین انگلیاں جن میں انگوٹھا، سبّابہ اور درمیانی ہے۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے۔

ملّا علی قاری نے لکھا ہے کہ پانچ انگلیوں سے کھانا حرص کی نشانی ہے اور لقمہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فم معدہ پر بوجھ اور حلق میں اٹک جانے کا باعث ہوتا ہے۔ (جمع الوسائل)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے چنانچہ ترمذی میں بحوالہ حضرت ابی جحیفہؓ آیا ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

کیونکہ یہ صورت تواضع کے خلاف ہے۔ اپنا ذکر حضورؐ نے اس لیئے فرمایا ہے تاکہ اس کا اتباع کیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں ہی اس میں داخل ہیں۔

اوّل یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگائے
دوسرے یہ کہ ہاتھ کی ہتھیلی سے زمین پر ٹیک لگائے۔
تیسرے یہ کہ چوکڑی مار کر کسی گدے وغیرہ پر بیٹھے۔
چوتھے یہ کہ کمر کا گاؤ تکیہ یا دیوار سے ڈھاسنا لگائے۔

کھانے کے شروع میں بسم اللہ

کھانے کے آغاز میں ہاتھ دھونا، منہ صاف کرنا اور بسم اللہ کہنا سنت ہے

چنانچہ ترمذی میں ہے۔

عمر بن سلمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا
بیٹا آؤ اور بسم اللہ کہو۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب
سے کھاؤ۔

بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے اور اگر بھول جائے تو کھانے کے درمیان
جس وقت یاد آجائے تو یہ کہہ لے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ۔
دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور کے نزدیک سنت ہے اور کچھ کے خیال میں
واجب ہے۔ بہرحال اس کا اہتمام ضروری ہے۔ آج کل لوگ اس سے بے
پرواہ ہیں۔ خصوصاً پانی پینے میں اس کی رعایت نہیں کی جاتی۔ حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم کا حکم ہے۔

دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پیو۔ کیونکہ بائیں ہاتھ
سے شیطان کھاتا اور پیتا ہے۔

کھانے کے بعد کی دُعا

کھانے سے فراغت کے بعد اللہ پاک کا شکر، اس کی حمد وثنا بھی سنت
ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہٖ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یوں فرماتے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا
مُسْلِمِیْنَ
خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

دسترخوان اٹھنے کی دُعاء

دسترخوان اٹھنے پر دُعا پڑھنا سنت ہے چنانچہ امام ترمذی نے شمائل میں حضرت ابوامامہ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھتا تو آپ یوں فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا۔

سب تعریف اور بابرکت حمد خدا کے لیے ہے کہ نہ اس کو چھوڑا جائے اور نہ اس سے بے پرواہی ہو۔ اے ہمارے پروردگار ہماری حمد قبول کر۔

ترمذی کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔

قضائے حاجت کے آداب

قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت یہ دُعا پڑھنی سنت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

اے اللہ میں تجھ سے گندگی اور گندی چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں

اے اللہ میں ناپاک جنوں نر اور مادہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور پاخانہ سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰى وَعَافَانِیْ

خدا کا شکر ہے جس نے میری تکلیف دُور کی اور مجھے عافیت دی۔

یا صرف اتنا کہہ لے۔

غُفْرَانَكَ   خداوندا ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔

گھر ہو یا باہر، پیشاب اور پاخانہ پھرتے وقت قبلہ رُخ نہ بیٹھے۔ اس طرح مقصود خانہ کعبہ کا ادب ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حوالے سے ہے کہ

حضور اقدسؐ نے فرمایا ہے جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ بیٹھ بلکہ مشرق اور مغرب کی طرف ہو کر بیٹھو۔

یاد رہے کہ مدینہ میں قبلہ جانب مشرق و مغرب نہ تھا۔

دائیں ہاتھ سے طہارت کرنا، پیشاب کرتے وقت پیشاب گاہ کو دایاں ہاتھ لگانا منع ہے۔ چنانچہ

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوقتادہؓ کے حوالہ سے حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی آیا ہے۔

جب تم میں سے کوئی بیت الخلا جائے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی پیشاب گاہ کو نہ لگائے اور نہ ہاتھ سے چھوئے۔

کیونکہ استنجا ایک کمترین کام ہے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ایک درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ اس لیے ایسے کام کے لیے بایاں ہاتھ ہی موزوں ہے۔

استنجا کے لیے ڈھیلوں کا استعمال

استنجا کے لیے کم از کم تین ڈھیلوں کا ہونا مستحب ہے۔

اور اس سے زیادہ کی کوئی قید نہیں اصل چیز تو صفائی ہے اور وُہ جتنے سے بھی ہو جائے درست ہے۔ گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنا منع ہے اس سے نبی کریمؐ نے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا میں استقبال قبلہ سے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے اور تین ڈھیلوں سے کم استعمال کرنے سے اور گوبر یا ہڈی سے استنجا کرنے سے روکا ہے۔

ڈھیلوں کے استعمال میں ایک بات لوگوں میں عام دیکھی جاتی ہے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلا استعمال کرتے وقت گھر کے صحن میں عورتوں اور بچوں کے سامنے ٹہلتے اور کھلے بازار میں چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ یہ نہایت بے شرمی اور بے حیائی کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ابو داؤد میں تو حضرت جابرؓ کے حوالے سے یہ عمل آیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو اتنی دُور چلے جاتے کہ آپ کسی کو بھی نظر نہ آتے۔

یاد رہے عام راہوں میں جہاں لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ اور سایہ دار درخت کے نیچے، حمام اور غسل خانے میں، پانی کے گھاٹ پر، بل اور سوراخ میں پیشاب کرنا منع ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں جانے کی دُعاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں آنے اور جانے کے لیے بھی ایک ذکر کا بیتمانہ بتایا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں حضرت ابو مالک اشعریؓ کے حوالے سے ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جب کوئی گھر جاتے تو یوں کہے

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

خدایا میں تجھ سے اندر جانے اور باہر جانے کی بہتری طلب کرتا ہوں،

اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام سے ہم نکلے اور خدا پر جو ہمارا پروردگار ہے بھروسہ کیا۔

اور گھر سے نکلنے کے بارے میں بھی ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ام سلمہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بتایا ہے کہ

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ طاقت اور قوت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔

رنج وغم اور پریشانی کی دعائیں

صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی میں یہ پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَكِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

آئینے میں چہرہ دیکھنے کی دعاء

عمل الیوم واللیلہ میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ آئینہ میں چہرہ دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ۔

اللہ کا شکر ہے اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔

قرض کی دُعا

ترمذی میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرض کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا بتلائی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ
اَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

اے اللہ مجھے اپنا حلال رزق دے کر حرام روزی سے بچا لے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔

مریض یا مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر دُعا۔

ترمذی میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور انورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مبتلا کو دیکھے تو یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ
بِهٖ وَفَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا۔

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اِس مصیبت و تکلیف سے عافیت دی جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت و بزرگی عنایت کی۔

چھینک کے وقت دُعا

جب کسی کو چھینک آئے تو اس پر چھینک والے کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سننے والے کو جواب میں يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اور اس کا چھینکنے والے کو یہ جواب دینا چاہیئے۔ يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ
مگر یاد رہے یہ نماز سے باہر کا حکم ہے۔ نماز میں ایسا نہ کرے۔ نماز میں

چھینک کا جواب دینے سے نماز ٹوٹ جائے گی ۔

شادی کی مبارک بادی

بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدالرحمٰن بن عوف کی
شادی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا
بَارَكَ اللهُ لَكَ

جس کا نکاح ہو اس کے لیے حضور انورؐ نے مسرتوں اور شادمانیوں کے
جھرمٹ میں ایک پیمانہ مقرر فرمایا ہے ۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور انورؐ
فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نکاح کرے تو یوں کہے ۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا جَبَلْتَهَا
عَلَیْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا
عَلَیْهِ ۔

اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس عادت پر تو نے اسکو
پیدا کیا ہے ۔ اس کی بھلائی چاہتا ہوں ، اور اس کی برائی اور
اس جبینہ کی برائی سے جس پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے ۔ تیری پناہ
لیتا ہوں ۔

عین زفاف کے وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعائی
پیمانہ بتایا ہے ۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ ۔
حضور انورؐ کا ارشاد ہے جب تم میں سے اپنی اہلیہ کے پاس
کوئی جائے تو یوں کہے ۔
بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ
الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ۔

اللہ کے نام سے۔ اے اللہ تو ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے الگ رکھ جو تو ہمیں عطا کرے۔

ذکرِ وقتِ پیدائش

حضرت فاطمہؓ کہتی ہیں کہ جب بچے کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ اور زینب سے کہا کہ فاطمہ کے پاس جاؤ اور آیتہ الکرسی، معوذتین اور یہ آیات پڑھو۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ..... تا
..... إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ۔

(پارہ ۸ رکوع ۱۴)

ذکرِ مولود

ولادت کے بعد بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت سنت ہے۔ اذان کے بعد تحنیک بھی سنت ہے۔

تحنیک:۔ کھجور یا کسی مٹھائی کو چبا کر بچے کے تالو میں لگانے کو کہتے ہیں۔ بچہ کی پیدائش کے وقت کھجور سے تحنیک سنت ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ تحنیک کرنے والا نیک اور صالح ہو ——— ساتویں روز بچے کا نام رکھنا، بال اتروانا اور عقیقہ کرنا بھی سنت ہے۔

آدابِ ملاقات

باہم ملتے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اچھے لفظوں میں استقبال کرنا ایک مسلمہ معاشرتی اخلاق ہے۔ اس بارے میں قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا۔

اور جب کوئی دُعا دے تم کو تو تم بھی دُعا اور اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔

کتنی بلند اخلاق کی تعلیم ہے۔ اگر کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ اس کا جواب اس سے بہتر دے۔ یعنی اگر اسے السلام علیکم کہا جائے تو یہ جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور اگر کہنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کہے۔ یا کم از کم کہنے والے ہی کے الفاظ دہرا دے۔

سلام وجواب کے یہ الفاظ شریعت کی جانب سے مقرر شدہ ہیں۔ ان میں کسی ترمیم یا حذف و اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ان کے قائم مقام کوئی اور پیمانہ ہو سکتا ہے۔

السلام علیکم کے معنے ہیں کہ اللہ تمہیں آفتوں سے بچائے اور سلامت رکھے ـــــ اس کے افادی پہلو پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک دُوسرے کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنے اور جواب میں زیادہ بہتر الفاظ کہنے سے باہم محبت اور ہمدردی بڑھ جاتی ہے اور برادرانہ تعلقات مضبوط ہو جاتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو غور سے پڑھیئے۔

تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو جاؤ۔ اور پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہم محبت نہ کرو۔ کیا میں تم میں وہ چیز نہ بتا دوں جس کو اگر تم کرنے لگو تو تم میں محبت بڑھ جائے، اور وہ یہ ہے کہ تم سلام کی کثرت کرو۔

سلام زبان سے کرنا سنت ہے مگر سلام کا جواب فرض کفایہ ہے۔ یعنی

اگر کسی نے مجلس میں آکر سلام کیا اور پوری مجلس میں سے ایک شخص نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور اگر سب کے سب خاموش رہے تو سب گنہگار ہوں گے۔

سلام کرنا منع ہے

خطبہ کے وقت، قرآن مجید پڑھنے یا سننے والے کو، اذان یا تکبیر کہتے وقت، پیشاب پاخانہ کرنے والے کو، عدالت کے جج کو فیصلہ کرنے کی حالت میں، استاد کو پڑھاتے وقت، نماز پڑھنے والے کو، شطرنج، تاش یا گنجفہ کھیلنے والے کو، ملحد، زندیق یا مسخرے کو، جھوٹی کہانیاں کہنے والے، بیہودہ گو اور گالیاں دینے والے ——— ان سب کو سلام کرنا مکروہ ہے ——— خطبہ کے وقت سلام کرنے والا گنہگار ہوگا۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر کوئی سلام سے پہلے کوئی بات کرے تو اس کا جواب نہ دو۔ اور چلنے والا۔ بیٹھنے والے کو، سوار پیادے کو، چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ اور جب اپنے گھر میں جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیۡنَ کہے۔

مجلس سے اٹھنے کی دُعا

جب مجلس ختم ہو اور لوگ برخاست ہوں تو اس کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذکر بتایا ہے۔

چنانچہ ترمذی میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جس مجلس میں فضول باتیں ہوئی ہوں تو اُٹھنے سے پہلے اگر یہ دُعا

پڑھ لے تو اللہ سبحانہٗ اس مجلس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیگا۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔

اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

مجلس کی دُعا

جب کسی مجلس میں بیٹھو تو اس مجلس کا بھی ایک حق ہے۔ حق یہ ہے کہ مجلس میں بیٹھے بیٹھے کم از کم ایک بار یہ دُعا پڑھ لو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ کسی مجلس سے اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک یہ دعا نہ کرتے

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا۔ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا۔ وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

(ترمذی)

اے اللہ اپنے ڈر سے اتنا ہمارے لیے مقدر فرما دے۔ جو ہمارے اور تیری نافرمانیوں کے درمیان آڑ ہو جائے اور اتنی طاعت

دیدے جو ہم کو تیری صفت تک پہنچا دے اور اتنا یقین عطا کر جس سے ہماری دنیوی مصیبتیں ہلکی ہو جائیں۔ اے اللہ فائدہ دے ہم کو ہمارے کانوں، نگاہوں اور قوت سے جب تک تو ہم کو زندہ رکھے اور اے اللہ اسی کا ہم میں سے وارث بنا دے اور اے اللہ کر دے تو ہمارا بدلہ اس پر جس نے ہم پر ظلم کیا ہمیں ہمارے دشمنوں پر مدد دے ہمارے لیے دین میں مصیبت نہ بنا۔ دنیا ہی کو ہماری بڑی بحث اور ہمارا مبلغ علم نہ بنا اور بے رحموں کو ہم پر مسلط نہ فرما۔

کپڑا پہننے کی دُعا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے پہنتے وقت بھی ذکر فرماتے چنانچہ ترمذی میں یہ دُعا آتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ

خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانکتا اور زندگی میں آراستگی حاصل کرتا ہوں۔

اور اگر نیا کپڑا ہوتا تو یہ دُعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ وَ اَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ

اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے ہی مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس غرض کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی بُرائی اور جس غرض کے لیے یہ بنایا گیا

ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

بازار میں جانے کا ذکر

ترمذی میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص بازار جائے اور یہ کہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور وہی قابل تعریف ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے، اور وہ ایسا زندہ ہے۔ جسے موت نہیں آئے گی اور اسی کے ہاتھ میں ساری خوبیاں ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تو اس سے ہزاروں نیکیاں ملیں گی۔ ہزاروں برائیاں ختم ہونگی۔ اور ہزاروں درجے بلند ہوں گے۔

اذکارِ خوابؒ

خواب کی حقیقت کیا ہے؟ یہ واقعی چیز ہے یا صرف خیالات ہیں۔ اطبار کا خیال ہے کہ آدمی کے مزاج میں جس خلط کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کے مناسب خیالات آتے ہیں۔ اگر مزاج بلغمی ہو تو پانی اور اس کے متعلقات اور اگر مزاج صفراوی ہو تو آگ اور اس کے متعلقات دیکھے گا۔ فلاسفر کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں ان کی صورت مثالیہ فوٹو کی طرح عالم بالا میں منقوش ہو جاتی ہے۔ اس لئے نفس انسانی کے سامنے

ان میں سے کوئی چیز آتی ہے تو اس کا انعکاس ہو جاتا ہے۔

اہل السنت والجماعت خواب کو رُوح کا مشاہدہ بتاتے ہیں۔ اور یہ مشاہدہ کبھی واقعی ہوتا ہے، اور کبھی مثالی۔ اہل السنت والجماعت کے امام ابو منصور ماتریدی کی مشہور کتاب تاویلات القرآن سے علامہ بیاضی نے اشارات المرام میں نقل کیا ہے کہ

خواب کبھی ہو بہو منظر آتی ہے اور کبھی جو کچھ ہونا ہوتا ہے۔ اسے مثالی رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ حضرت یوسف نے ستاروں اور شمس و قمر کا سجدہ دیکھا۔ سجدہ فی الواقع تھا۔ مگر ستارے اور شمس و قمر بھائیوں اور والدین کے لیے ایک تمثیل تھی حضرت ابراہیم نے بیٹے کے ذبح کو خواب میں دیکھا۔ ذبح واقعی تھا۔ مگر بیٹا بکرے کا مثالی نمونہ تھا۔

علامہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

خواب کی حقیقت یہی ہے کہ فی الواقع رُوح دیکھتی ہے اور یہ روح کا مشاہدہ سونے کی حالت میں ٹھیک ایسا ہی ہے۔ جیسا بیداری میں آنکھ کا۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں۔

قرآن اور عقل دونوں فرماتے ہیں کہ خواب ایک واقعی حقیقت ہے۔ قرآن تو حضرت یوسف کا خواب دیکھنا۔ اس کی تعبیر اور پھر حضرت یوسف کو تعبیر رؤیا کی نعمت کا عطا ہونا ——— اور جہاں تک عقل کا معاملہ ہے تو یہ واقعہ ہے کہ رُوح ایک ایسا جوہر ہے جس کی تخلیق ہی اللہ پاک نے کچھ ایسی فرمائی ہے کہ اس کے لیے عالم افلاک میں چلا جانا اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرنا آسان ہے اگر کچھ اس کو مانع ہے تو بدن کی تدبیر میں مشغولیت اور بس —

سونے کے اوقات میں اس سے فرصت ہوتی ہے۔ اور یہ شغلہ کم ہوتا ہے رُوح کے لیے عالم بالا کی سیر اور مطالعہ آسان ہو جاتا ہے۔

امام رازی نے یہ بات جو فرمائی ہے کہ خواب دراصل ایک واقفیت اور حقیقت ہے تو یہ صرف امام رازی ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کا بھی مذہب ہے۔

علامہ سیاضی فرماتے ہیں کہ

امام اعظم کے ساتھ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابو منصور ماتریدی، استاذ ابو اسحاق اسفرائنی، امام الحرمین، امام غزالی نجم الدین النسفی، قاضی بیضاوی کا بھی مذہب ہے۔ اور ساتھ ہی عام مفسرین اور محدثین بھی کہتے ہیں ــــــ یہی قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔ اس موضوع پر جن تیرہ صحابہ کے ذریعے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہم تک پہنچے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ عباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن مسعود، انس بن مالک، ابو ہریرہ، ابو الدرداء، ابو قتادہ ابو سعید خدری، ابو رزین، حذیفہ بن اسید، عوف بن مالک ــــــ ان صحابہ سے اس موضوع پر کم و بیش چالیس طریقوں سے احادیث مروی ہیں۔

ان روایات پر تفصیلی کلام ہم انشاء اللہ اپنی کتاب "معالم" میں کریں گے یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ خواب اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک حقیقت ہے اور رُوح کے مشاہدہ کا نام ہے ــــــ اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

الرؤیا الصالحۃ من الرجل الصالح
جزء من ستۃ و اربعین جزءاً

اچھے آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔
یہ ان تین قسموں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی بتائی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ۔
حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک رؤیائے صالحہ یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈراونا جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچاتا ہے۔ تیسرا وہ خواب جو آدمی کے اپنے خیالات ہوتے ہیں۔
علماء نے لکھا ہے کہ رویائے صالحہ اس فرشتے کے تصرف سے ہوتے ہیں جو اس پر مقرر ہے۔ جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے یہ عام خواب کے متعلق ہے۔
احادیث میں آتا ہے اگر دیکھنے والا پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور تعبیر کے لیے کسی ایسے شخص سے بیان کرے جس کی محبت کا اسے یقین ہو ــــــ بخاری اور مسلم میں ہے۔

لایحدث بھا الا من یحب

صرف اس شخص سے بیان کرے جو اسے پسند ہو۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دوست سنے گا تو اچھی تعبیر دے گا اور دشمن تعبیر ایسی دے گا۔ جس سے رنج پہنچے گا۔ اور اکثر وہی ہوتا ہے۔ جو معبر اول بتاتا ہے۔
حدیث میں ہے کہ خواب کی جب تک تعبیر نہ بیان کی جائے پرندے کے پاؤں پر ہے یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور جب تعبیر بیان کر دی جاتی ہے۔ تو اس کے موافق ہوتا ہے۔

اگر خوف زدہ خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے بلکہ تین بار بائیں طرف ہنکار دے اور تین بار تعوذ کرے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔
جو شخص تم میں سے ناگوار خواب دیکھے اسے چاہیئے کہ تین بار ہنکار دے اور تین بار أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہے۔ کوئی نقصان نہ ہوگا۔
اور ایک حدیث میں استعاذہ اس طرح آیا ہے۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ وَسَيِّئَاتِ الْاَحْلَامِ

خواب میں حضور انور کی زیارت

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرفاتِ شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک سے زیادہ حدیثوں میں آیا ہے کہ
"جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقۃً مجھ کو ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ خواب میں میری صورت بنا لے"
گویا اللہ پاک نے جیسا کہ عالمِ حیاتِ دنیا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرما لیا تھا۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ
وہ آپؐ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ بحث اِس میں
ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک
بعینہٖ نظر آتی ہے۔ یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا
ہو جاتی ہے کہ وہ ذاتِ اقدس ہی کی زیارت اپنی جگہ پر کر لے۔
یا صورت مثالی کی زیارت ہوتی ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں۔ کہ
دونوں طرح زیارت ہوتی ہے۔ بعض کو بعینہٖ اور بعض کو مثالی صورت
میں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ تفصیلات
اور اِس پر سیر حاصل مباحث انشاءاللہ ہماری کتاب "معالم"
میں آئیں گے۔

اذکارِ سفر

سفر کے احکام حضر اور اقامت سے کچھ الگ ہیں۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے اس گوشے میں امت کے لیے ہدایات کا بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے۔

سفر کی دو رکعتیں

سفر میں جانے کا ارادہ ہو تو روانگی سے پہلے گھر میں دو رکعت پڑھ لینا مستحب ہے۔ طبرانی کے حوالے سے الوابل الصیب میں حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ:

ارادہ سفر کے وقت اپنے گھر میں دو رکعت سے بہتر اہل و عیال کے لیے پس انداختہ کچھ نہیں ہے۔

رخصت ہونے کی دعا

کوئی سفر کے لیے روانہ ہو تو اس سے معانقہ کرنا اور یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (مسلم۔ ابوداود)

میں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

اور مسافر کہے۔

أَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا يَخِيبُ

میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کے پاس امانتیں بیکار نہیں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ میرا سفر کا ارادہ ہے تو اس کو یہ دُعا دینی مستحب ہے۔

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ (ترمذی)

خدا تجھے تقویٰ نصیب کرے اور تیرے گناہ بخش دے اور تیرے لیئے خیر آسان کردے جہاں تو رہے۔

سفر کے ارادے سے اٹھے تو یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَسِيْرُ

(حصن حصین)

اے اللہ میں تیری ہی مدد سے حملہ کرتا ہوں اور تیری مدد سے حیلہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے چلتا ہوں۔

سواری پر سوار ہونے کی دُعا

سواری پر سوار ہونے کا مسنون طریقہ احادیث میں مفصل آیا ہے۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں سنن ترمذی کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ سواری پر پاؤں رکھے تو بسم اللہ کہے جب چڑھ جائے تو یہ دُعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

اللہ کا شکر ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے اور بیشک ہمیں اپنے رب

کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

اِس کے بعد کہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔

اور یہ کہے

سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ
اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

تو پاک ہے بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے
کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے ۔

بعد ازیں یہ دُعا پڑھے ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ
وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ
ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَہٗ
اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ
فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ
السَّفَرِ وَکَاٰبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ
فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ (مسلم)

اے اللہ ہم تجھ سے اپنے سفر میں نیکی اور پرہیزگاری اور تیری
خوشنودی کے کام چاہتے ہیں ۔ اے اللہ ہم پر ہمارا یہ سفر
آسان کر دے اور اس کا فاصلہ طے کر دے ۔ الٰہی تو ہی سفر
میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے ۔ اے اللہ میں تجھ سے
سفر کی مشقت اور ناگوار منظر اور مال اور اہل اولاد میں واپسی
پر خرابی سے پناہ مانگتا ہوں ۔

سفر سے واپسی پر دُعا

پہلے سفر والی دُعا میں یہ اضافہ کرے۔

آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ
لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنیوالے ہیں، اپنے پروردگار کا شکر کرنے والے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اسی کے لیے بادشاہت ہے اور وہی قابل ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

بستی میں داخل ہونے کی دُعا

سنن نسائی میں حضرت صہیب کے حوالے سے ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستی میں داخل ہوتے وقت یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ
وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ
وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ
وَمَا ذَرَيْنَ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا
فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا
وَشَرِّ مَا فِيْهَا

اے اللہ سات آسمانوں اور ان چیزوں کے پروردگار

جن پر آسمان سایہ افگن ہیں اور ساتوں زمینوں اور ان چیزوں کے رب جن کو یہ زمینیں اٹھائی ہوئی ہیں ۔ اور شیاطین اور ان لوگوں کے رب جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ۔ اور ہواؤں اور ان چیزوں کے رب جن کو ان ہواؤں نے پراگندہ کر دیا ہے ۔ ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور اس بستی کے لوگوں کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے ۔ اس کی بھلائی مانگتے ہیں ۔ اور اس کی برائی اور اس کے لوگوں کی برائی اور اس کے اندر کی برائی سے تیری پناہ مانگتے ہیں ۔

اقامت کی دُعا

اگر سفر میں کسی مقام پر پڑاؤ کا ارادہ ہو تو صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا ہوتی تھی ۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

میں اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں ۔ اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے ۔

سفر میں مسافر کی نماز

سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے ۔ قصر یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کی چار رکعتیں ہیں ۔ دو دو ہی پڑھی جائیں ۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت ہی پڑھتے اور مدینہ لوٹنے تک آپ کا یہی عمل ہوتا تھا ۔

اسکے بعد لکھا ہے کہ

لم یثبت عنہ انہ اتم الرباعیۃ فی سفرہ البتۃ

آپؐ سے ثابت نہیں کہ آپ نے سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں

اِس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ یہ رخصت نہیں بلکہ سفر میں نماز ہی اتنی فرض ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

اللہ نے تمہارے نبی کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں۔

اِسی طرح حضرت عائشہؓ کا بیان امام مسلم نے متعدد طریقوں سے روایت کیا ہے۔

ابتدا میں نماز کی دو ہی رکعت فرض تھیں سفر میں اور حضر میں۔ بعد میں سفر میں اصل باقی رہی اور حضر میں اضافہ ہوگیا۔ یعنی دو کی چار ہوگئیں۔

یہ اِس بات میں فیصلہ کن ہیں۔ کہ سفر میں دو ہی رکعت پڑھنی چاہئیں۔ حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جسے صاحب مشکوٰۃ نے شرح السنۃ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں پوری نماز بھی جائز ہے۔ یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حافظ تیمیہ تو یہاں تک فرما گئے۔

ھو کذب علی رسول اللہؐ

یہ رسول اللہؐ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

اور حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ یہ خود حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالاحدیث کے خلاف ہے ——— اس لیے سفر میں دو رکعت ہی نماز فرض ہے اِس سے زیادہ نہ پڑھنی چاہیئے۔

اگر مسافر امام ہو اور پیچھے مقتدی مقیم ہوں تو اسے دو ہی رکعت پر سلام پھیر کر بتا دینا چاہیئے کہ میں مسافر ہوں تم نماز پوری کر لو چنانچہ ابو داؤد میں حضرت عمران بن حصین کے حوالے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل منقول ہے۔

عمران کہتے ہیں کہ میں حضور انور کے ساتھ ایک جہاد میں تھا اور فتح مکہ کے موقعہ پر میں موجود تھا۔ آپ نے مکہ اٹھارہ رات قیام کیا آپ دو ہی رکعت نماز پڑھاتے تھے اور سلام کے بعد فرماتے۔ اے شہریو! ہم مسافر ہیں چار رکعت پوری کر لو۔

یہ ارشاد جہاں اس بات میں فیصلہ کن ہے کہ سفر میں مسافر پر دو ہی رکعت فرض ہیں۔ وہاں یہ بھی بتا رہا ہے کہ امام نفل گزار کے پیچھے فرض پڑھنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم متنفل ہی کی حیثیت میں ستائیس گنا ثواب کمانے کے لیے مقتدیوں کو نماز پوری کرا دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز نہیں ہوتی۔

کس قدر مسافت کے سفر میں قصر کرے

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

سفر، اقامت، زنا، سرقہ اس قسم کے الفاظ ہیں جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کے معانی سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کی کوئی جامع مانع تعریف تو ہو نہیں سکتی۔ سب ہی جانتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ، مدینہ سے خیبر لامحالہ سفر ہے۔ صحابہ کے اقوال و اعمال سے معلوم ہوا ہے کہ مکہ سے جدہ یا طائف یا عسفان اور ایسے تمام مقامات تک جو اڑتالیس میل ہوں جانا سفر کہلاتا ہے۔

پہلی صُورت کو جمع حقیقی اور دُوسری صورت کو جمع صوری کہتے ہیں۔ اگر جمع حقیقی کو اپنایا جائے تو نہ صرف یہ کہ احادیث باہم ٹکرا جائیں گی۔ بلکہ رُوح قرآنی کے بھی خلاف ہوگا۔ قرآن میں یہ بات کھول کر بتائی گئی ہے کہ

ان الصّلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا

نماز مسلمانوں پر بقید وقت فرض ہے۔

اور قرآن میں یہ آیت قصر صلوٰۃ کے خاتمہ پر آئی ہے اور اس میں نماز کی فرضیت کے ساتھ مؤقت ہونے پر زور دیا ہے۔ اب اگر ایک نماز کو اپنے وقت سے ہٹا کر دُوسری نماز کے وقت میں پڑھا جائے تو یہ سرتاسر قرآن حکیم کے خلاف ہوگا۔ حالانکہ قرآن ہی نے بتایا ہے کہ نبوت وحی کی اتباع کے لیے آئی ہے۔

ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ

میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔

ایسے ہی قرآن کی دُوسری آیت میں اللہ پاک نے مطالبہ کیا ہے۔

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ

خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے۔

اور ایک نماز کو اپنے وقت سے ہٹا کر دُوسری نماز کے وقت میں پڑھنا محافظۃ علی الصلوات کے خلاف ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی روایت کی رُوح سے متاثر ہو کر اطراف مملکت میں یہ سرکلر روانہ کیا کہ دو نمازوں کو جمع نہ کیا جائے اور لکھا کہ ایک وقت دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس لیے جن جن حدیثوں میں جمع کا ذکر آتا ہے۔ ان میں جمع حقیقی نہیں

بلکہ جمع صوری مراد ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

دو نمازوں کا جمع کرنا یہ ہے کہ پہلی کو مؤخر کیا جائے اور آخر وقت میں پڑھا جائے۔ اور دوسری کو جلدی کر کے اوّل وقت میں پڑھا جائے۔

یہی مذہب ہے صحابہ میں عبداللہ بن مسعودؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ کا ــــــــ اس لیے سفر میں اگر نماز کو جمع کرنے کی ضرورت ہو تو اِس طرح جمع کر لو کہ ایک نماز کو آخر وقت میں پڑھ لو، اور دوسری کو اوّل وقت میں ــــــــ پہلی صورت ہرگز ہرگز نہ کرنا کہ یہ خلاف قرآن وسنت ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی دو نمازوں کے جمع میں یہی معمول تھا۔ چنانچہ نسائی میں ہے۔

عن ابن عباس رضی قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ جمیعاً اخر الظھر و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں اکٹھی نماز پڑھی آپؐ نے ظہر اور مغرب کو مؤخر کیا اور عصر اور عشاء میں جلدی کی۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ کہ

عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یؤخر الظھر و یعجل العصر و یؤخر المغرب و یعجل العشاء فی السفر

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سفر میں ظہر اور مغرب میں تاخیر کرتے تھے اور عصر اور عشاء میں تعجیل کرتے تھے۔

یہ اور اس قسم کی دُوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو جمع صوری کر لے جمع حقیقی ہرگز نہ کرے۔

روزہ اور اس کے اذکار

رمضان میں روزہ بھی اسلام کے ارکان پنجگانہ میں سے ایک رکن ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں۔ بغیر عذر شرعی کے روزہ نہ رکھنے کا ویسا ہی گناہ ہے۔ جیسا نماز نہ پڑھنے اور زکوٰۃ نہ دینے کا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے رمضان کا روزہ بغیر عذر کے نہ رکھا تو اگر تمام سال یا تمام عمر بھی نفل روزے رکھے یا دنیا کی ساری نعمتیں خیرات کر دے تب بھی اس ایک روزے کے درجے کو نہ پہنچے گا۔

سحری کھانا مسنون ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں صرف سحری کا فرق ہے۔ ہم سحری کھاتے ہیں۔ وہ سحری نہیں کھاتے اور فرمایا ـــــــــــ لوگو! سحری کھاؤ۔ اس میں برکت ہے۔ سحری کا بہتر اور عمدہ وقت صبح کاذب سے صبح صادق تک ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمدہ سحری یہ ہے کہ آخر وقت میں کھائی جائے۔

سحری کے وقت میں دُعا کا کوئی خاص بیان روزے کی نیت سے پڑھنا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے صرف روزہ کی نیت ہی کافی ہے۔

افطارِ روزہ

جب سُورج ڈوب جاتے اور مشرق کی طرف سیاہی نودار ہو جائے تو روزہ افطار کر دیا جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ

جب تک مسلمان افطار کرتے رہیں گے۔ دین کا غلبہ رہے گا۔

اور فرمایا کہ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے افطار میں جلدی کرنے والے بندے بہت پیارے ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ افطار میں جلدی کرنا گویا رزق کے لیے حاجتمندی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ اور اللہ کو اپنے بندوں کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے روزہ افطار کیوقت یہ دُعا پڑھنی مسنون ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (الوابل الصیب)

اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔

اور چاہے تو یہ دُعا پڑھ لے

ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللہُ

(مسلم ابوداؤد)

پیاس بجھ گئی۔ رگیں تر ہوں گئیں اور ثواب ضرور ملیگا۔ اگر اللہ نے چاہا۔

اگر کسی روزہ دار کے پاس افطار کرے تو یہ دُعا بھی پڑھے۔

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ (ابن ماجہ۔ ابوداؤد)

روزہ دار تمہارے پاس افطار کریں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں فرشتے تمہارے لیے دُعا کریں۔

اخلاق اور اذکار

اذکار کا ایک اہم کام یہ ہے کہ ان کے ذریعے انسان کی سیرت کو اِس خاص ڈھنگ پر تیار کیا جاتا ہے جو اخلاق حسنہ پیدا کرنے یا بالفاظ دیگر زندگی کو خدا کی عبادت بنا دینے کے لیے ضروری ہے۔
اِس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ جانیں اخلاق کیا ہیں، کیسے بنتے ہیں۔ اور پھر اخلاق و اذکار میں منطقی ربط کیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اخلاق حسنہ کی یہ تعریف کی ہے۔

حسن خلق نام ہے اللہ پاک کے ساتھ ایسے لگاؤ کا کہ تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی نہ ہو۔ اور مخلوق کے ساتھ ایسے برتاؤ کا کہ تمہارے اور مخلوق کے درمیان خود تمہاری ذات نہ ہو۔
(مدارج السالکین)

اخلاق کیسے بنتے ہیں

جس طرح روزمرہ کی زندگی میں کھانے پینے کے ذریعے بچپن ہی سے ہماری حیوانی رُوح بنتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ یعنی ہم اپنی مادی اور ... نی زندگی میں جو کچھ کھاتے ہیں۔ ہمارے بدن پر اس کے آثار و نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ ٹھیک اِسی طرح ہم جو کچھ کرتے ہیں یا جو کچھ کہتے ہیں۔ یعنی افعال و اقوال کے دن رات جو نوالے اور لقمے بنا بنا کر کھاتے رہتے ہیں ان سے جو رُوح بنتی ہے یا ان کے جو احوال و نتائج ہماری انسانیت پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہی کا نام اخلاق ہے ——————
حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

انما الاخلاق بالاحوال لا بالعلوم
(بدور بازغہ)

اخلاق احوال سے بنتے ہیں۔ علوم سے نہیں۔
اس لیے اقوال و افعال کے اچھے یا بُرے ہونے پر اخلاق کا اچھا یا بُرا ہونا موقوف ہے۔ اسی بنا پر نبوّت محمدیہ نے نیتوں اور اقوال و افعال کی درستگی پر زور دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

انما الاعمال بالنیات
اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اور اقوال و افعال کے لیے شریعت نے عبادات کے نام پر حرکات و اذکار کا تمام عبادات میں ایک مخصوص پیمانہ مقرر کیا ہے۔ اسلام کی ساری عبادات میں دو ہی چیزیں مرکزی ہیں۔
اعضاء و جوارح کے ذریعے حرکات ۔ زبان کے ذریعے اذکار۔ اور ان کے وجود میں لانے کی خاطر کیفیات کو اخلاص کے نام سے اپنایا گیا ہے

چہارگانہ اصُول اخلاق

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے اصول اخلاق چار بتائے ہیں فرماتے ہیں۔

وُہ اصُول اخلاق جو شریعت میں موضوع بحث ہوتے ہیں، صرف چار ہیں۔
طہارت جس کے ذریعے ملکوت سے تشبہ حاصل ہوتا ہے
اخبات جس کے ذریعے انسان میں جبروت تک ترقی کی صلاحیت ہوتی ہے۔
سماحت اور عدالت (حجۃ اللہ البالغہ)

ان چہارگانہ اصول اخلاق کی بہم رسانی کے لیے اعمال اور اذکار کا نقشہ ترتیب دیا گیا ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان ہی اخلاق کی ترتیب کے لیے اذکار کا حکم دیا ہے۔ یہ اذکار ہی میں قوت ہے۔ جن کے ذریعے انسان میں دوام اخبات کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکرِ موت اور ذکر آخرت کی ترغیب دی ہے۔ اور دنیا اور اس کے نفع و نقصان کو آنی فانی قرار دیا ہے۔ جلال الٰہی اور حکمت قدرت پر فکر کرنے کی تلقین کی ہے۔ تاکہ اس راہ سے لوگوں میں صفت سماحت اجاگر ہو۔ مریض کی بیمار پرسی، غمگساری، ہمدردی، اسلام کے عام کرنے، حدود کو نافذ کرنے، بُرائی کو روکنے، نیکی کا حکم کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تاکہ لوگوں میں صفت عدالت کی رونمائی ہو۔

طہارت جو ملکوت سے تشبہ کا ذریعہ ہے۔ اس کی بہم رسانی اور تربیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اعمال وافعال کا پیمانہ تو الگ ہے مگر اِس راہ میں خالِص اذکار سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نفس کی تربیت اور اِس کی خاص نہج پر مشق و تمرین کے لیے ایک خاص پیمانہ ذکر بنایا ہے۔ اور اذکار کی رُوح یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک قسم کی حضورؑ کی کیفیت اور جبروت استغراق حاصل ہو جائے۔

لطائف خمسہ

یہاں صرف حواس خمسہ، مشاعر خمسہ اور اخلاق ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ

لطائف خمسہ بھی ہیں۔ لطائف خمسہ یہ ہیں۔ قلب۔ روح۔ سر خفی۔ اخفیٰ ا حواس اور مشاعر مادی ہیں۔ لیکن لطائف غیر مادی ہیں ـــــــ یادر ہے۔ کہ اخلاق کے رونما ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اذکار کا اصلی کام یہ ہے کہ یہ لطائف خمسہ بیدار ہو جائیں۔ اور ان کی بیداری کا مطلب یہ ہے۔ کہ ذکر کی برکت سے یہ لطائف علیحدہ علیحدہ خود ذاکر ہو جائیں ـــــــ حواس کی حد تک ڈاکٹر اور طبیب۔ مشاعر کے دائرے ہیں فلاسفر اور حکیم اور اخلاق کے بارے ہیں علمائے کرام اور لطائف کے متعلق صوفیاء اور صوفیہ کی رائے معتبر ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

انسان تو فی الواقع بدن کا نہیں رُوح کا نام ہے۔ بدن تو صرف قالب اور مکان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اخلاق، حواس خمسہ اور مشاعر خمسہ کا رُوح سے تعلق ہے۔

جس طرح افعال و اقوال کے بگڑنے سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں ایسے ہی اخلاق کے بگڑ جانے سے لطائف بھی تباہی اور بربادی کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ لطائف کے بگاڑ میں سب سے زیادہ دخل نفسانی خواہشوں کی پیروی، غفلت اور فراموشیوں کو ہے۔

حضور انور صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جو علاج تجویز فرمایا ہے وہ بھی شاہ صاحب ہی کی زبانی سُن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مکمل علاج فرمایا ہے اور یہ اس طرح کہ ہر حالت کے لیے زندگی کے سارے گوشوں میں ایک ذکر کا مناسب پیمانہ تجویز کیا ہے تاکہ یہ غفلت کی سرشاریوں کو صحیح طریق پر دور کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذکار کے اسی فائدہ پر متنبہ فرمایا ہے۔

صوفیاء کرام کے یہاں ان لطائف کو ذکر بنانے کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں خصوصاً مدرسہ نقشبندیہ میں اس پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوام ذکر کی اسی حالت کو بیدار کرنے کے لیے عام دس اذکار مقرر فرماتے ہیں تسبیح۔ تحمید۔ تہلیل۔ تکبیر۔ حوقلہ۔ استغفار۔ استعاذہ۔ درود۔ تلاوت قرآن۔ اسلئے حتیٰ یہ اذکار طریق نبوت میں بمنزلہ غذا ہیں اور صوفیاء کرام کے تمام اوراد، وظائف اور اشغال بمنزلہ دوا ہیں جن کے استعمال کرنے کی ہر شخص کو ہر وقت اجازت ہے۔ کیونکہ یہ غذا ہیں اور صوفیاء کرام کی دواؤں کو کسی کے لیے بطور خود کتابوں کے مطالعہ سے استعمال کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کسی طبیب کامل سے مشورہ نہ لے لے ـــــ کیونکہ یہ ایک مستقل فن ہے یوں سمجھئے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دین کے نام پر جو ہدایات لے کر آئے ہیں۔ وہ تین قسموں پر تقسیم ہیں۔

اوّل عقائد ان کو زبان نبوّت میں ایمان کہتے ہیں۔ اہل علم میں سے جن بزرگوں نے اس کی بطور فن خدمت کی ہے۔ ان کو متکلمین اور اس فن کو کلام یا اصول دین کہتے ہیں۔

دوم احکام ان کو زبان نبوت میں اسلام کہتے ہیں۔ اہل علم میں سے جن بزرگوں نے اس کی بطور فن خدمت کی ہے۔ ان کو فقہاء اور اس فن کو فقہ یا تشریع کہتے ہیں۔

سوم اخلاق اس کو زبان نبوّت میں احسان کہتے ہیں۔ اہل علم میں سے جن بزرگوں نے اس کی بطور فن خدمت کی ہے۔ ان کو صوفیاء اور اس فن کو تصوّف وسلوک کہتے ہیں۔

جیسے عقائد میں تین مدرسے اشعری، ماتریدی، اہل الظواہر ہیں۔ اور

فقہ میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ ایسے ہی تصوف میں بھی مشہور چار مدرسے قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی ہیں۔

صوفیاء کرام نے دین کے اس تیسرے شعبہ احسان و تصوف کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور وہ اس خاص موضوع پر متکلمین اور فقہاء کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی اور نیابت کرتے ہیں۔ اور اس لیے امت پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، اور امت اس شعبہ میں ان کی ممنون اور محتاج ہے۔

حضرت مولانا سید احمد امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ

تمام سلوک و تصوف کی اصلی غرض و غایت صرف اللہ سبحانہٗ کی محبت کی بہرہ رسانی ہے یہ مسئلہ تمام صوفیاء میں قطعاً اتفاقی ہے بلکہ اس موضوع پر اقوام دنیا میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔

لیکن چونکہ یہ محبت اور باطنی وروحانی کیفیات صرف کتابیں پڑھنے اور تقریریں سننے سے حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ جب تک کسی صاحب باطن کی صحبت و خدمت میں رہ کر استفادہ نہ کرے۔ اس لیے اس فن کو فن والوں ہی سے حاصل کرے اور اس موضوع پر کسی کامل ہی سے مشورہ لے جن دس اذکار کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے تسبیح، تحمید، تہلیل تکبیر، ترتمہ، استغفار اور استعاذہ کے بارے میں آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے۔ آیئے اب باقی پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال لیں۔

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اذکار میں درود شریف کا خاص امتیازی مقام ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ

مجھ کو میرے والد نے روزانہ درُود پر ہمیشگی کرنے کی وصیّت فرمائی اور بتایا کہ ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے درُود کے ذریعے پایا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ بھا وجدنا وجدنا
(قول جمیل)

اپنے لیے سب ہی دُعا کرتے ہیں اور کون ہے جو دُعا کے ذریعے اپنی کامیابی کا خواہاں نہیں ہے لیکن اگر اپنے سے ہٹ کر صرف درُود کا ہو رہے تو خود حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بتایا ہوا نسخہ ہے۔ کہ دنیا کی زندگی میں فکر و غم ہی کا خاتمہ نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ کے یہاں سے گناہوں کی بخشش کا پروانہ مل جائے گا۔ چنانچہ عن ترمذی میں ہے۔
حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ میں آپ پر درُود کی بہتات کرتا ہوں فرمایئے کہ اس کی مقدار کتنی کروں۔ فرمایا جتنی چاہو۔ میں نے عرض کی کہ چوتھائی فرمایا کہ جتنا چاہو زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آدھا۔ فرمایا جتنا چاہو لیکن زیادہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دو تہائی۔ فرمایا جتنا چاہو لیکن زیادہ تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اپنی ساری دُعا کو آپ کی درود کے لیے کروں فرمایا پھر تو یہ رنج و غم کی کفایت کا سامان اور تیرے گناہوں کی تکفیر کا باعث ہو جائے گا۔
علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خود ہی حد بندی اس لیے نہیں فرمائی بلکان کے صوابدید اور اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا تا کہ فضیلت اور فریضہ میں امتیاز قائم رہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ جو ارشاد فرمایا کہ اپنالو گے۔ تو تمہارے رنج و غم کا مداوا اور گناہوں کی بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انورؐ

پر درُود میں دو چیزیں ہیں۔ایک ذکر الہٰی دوسرے تعظیم رسالت ـــــ اور معلوم ہے کہ اپنے سے ہٹ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی میں لگ جانا بہت ہی جلیل القدر کام میں مشغول ہونا ہے اور درحقیقت یہ اِس حدیث قدسی کا مصداق بن جانا ہے جس میں اللہ سبحانہٗ کا ارشاد گرامی ہے۔ جو سوال کو ہٹا کر میرا ذکر اپنے میں لگا تا ہے۔میں اِسے سوال کرنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔اور خود ارشاد نبوی ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درُود پڑھتا ہے اللہ سبحانہٗ اس پر دس بار رحمت نازل کرتا ہے۔نیز درُود پڑھنے والے کو اللہ سبحانہٗ کی موافقت کی توفیق ملتی ہے اور اس طرح وہ ملائکۃ المقربین کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے۔اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ آپ ہی انصاف فرمایئے اس مقام رفیع کا اپنی ذات کے لئے دُعا سے کیا مقابلہ اور اِس سے کیا نسبت

درُود کا فائدہ خود درُود پڑھنے والے کو ہے

درُود جو پڑھی جاتی ہے۔اس کا فائدہ خود درُود پڑھنے والے کو ہوتا ہے۔علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ درُود اللہ کے حکم کی تعمیل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس طرح اِس حق کی بجاآوری ہے۔جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے ہم پر عائد ہوتا ہے اور علامہ ابن عبد السلام لکھتے ہیں کہ ہماری درُود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی سفارش نہیں ہے کیونکہ ہم جیسا آپ جیسے کی سفارش ہی کیا کر سکتا ہے ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل   نسیم صبح تیری مہربانی

اللہ پاک نے محسن کے احسان کے لیے مکافات کا ہمیں حکم دیا ہے۔اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کرامت کا محسن کون ہے چونکہ اس مکافات کی ہم میں قطعاً تاب نہ تھی۔اِس لیے اللہ پاک نے ہماری اِس

عاجزی اور بیچارگی کے پیشِ نظر یہ حکم دیا ہے کہ

یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

اور تو اور آیت کے نازل ہونے پر بھی امت کی عاجزی اور بیچارگی اس وقت قابلِ دید تھی۔ جب صلوا علیہ سُن کر بھی صلوٰۃ علی النبی کا مفہوم ہی نہ سمجھ سکے۔ اور سمجھ بھی کیسے سکتے ہیں جب کہ پہلے ہی سنا دیا گیا ہے۔

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔

حتیٰ کہ پوچھنے والوں نے پوچھا ـــــ اور جواب میں صلاۃ علی النبی کا مطلب نہیں بلکہ آپ نے صلاۃ کی کیفیت وصفت بتائی ہے۔

کیفیت صلاۃ کا تذکرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آپ پیچھے سُن آئے ہیں۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے درود کا پیمانہ ارشاد ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اللہ پاک نے جس صلوٰۃ کا ہم سے مطالبہ کیا ہے وہ ہمارے بس سے باہر ہے اس باب میں ہماری عاجزی اور بیچارگی آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

اسی وجہ سے ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ صلاۃ کے مطالبہ کی بجائی کیلئے یُوں کہو۔ اللھم صل علی محمد ۔ ۔ ۔ ۔ تا آخر

گویا اس میں اشارہ ہے کہ تم میرے مقامِ بلند کے مطابق صلوٰۃ سے قطعاً عاجز ہو اس لئے بس اللہ سبحانہٗ سے مانگ لو چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

فیہ ایماء الی انکم عاجزون عن التعظیم
اللائق لی فاطلبوہ من اللہ لی

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم اس تعظیم سے عاجز ہو

جو میرے لائق ہے۔ پس اللہ سے اس کو میرے لیے مانگو۔
بتانے والوں نے بتایا ہے کہ

جب اللہ سبحانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا ہمیں حکم دیا نہ تو ہم اس کے مقام کو جان سکے اور نہ ہماری اللہ کی حقیقی مراد تک رسائی ہوئی۔ اس لیے ہم نے سارا معاملہ یہ کہہ کر کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اللہ سبحانہٗ کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ اس کے رسول کا مقام کیا ہے۔ اور اسے ہی پتہ ہے کہ صَلُّوْا عَلَیْہِ کی حقیقی مراد کیا ہے۔ (رُوح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۸۵)

درُود اذکار میں سب سے زیادہ طاقتور ہے

جیسے درُود شریف تمام طاعات میں افضل اور قربِ الٰہی کا جلیل القدر ذریعہ ہے ایسے ہی درود ایسا طاقتور ذکر ہے کہ بعض عارفین نے لکھا ہے کہ اس کے ذریعے بلا واسطہ شیخ قربِ الٰہی نصیب ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس میں خود ذات نبوت سے براہ راست لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے۔ برخلاف دُوسرے اذکار کے کہ ان میں شیطان کی مداخلت سے بچنے کے لیے شیخ سے تعلق ضروری ہے۔ ورنہ ان کی برکت سے محرومی ہوتی ہے۔ درُود کی قوت کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو اس پر غور فرمایئے کہ مثلاً۔

۱: درُود کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ درُود پڑھنے والے پر اللہ سبحانہٗ رحمتیں اور خیرات و مبرات نازل فرماتا اور بلکہ اسے دس گنا کرتا ہے۔

۲: درُود کے ذریعے حسنات کے ساتھ رفع درجات ہوتا ہے اور سیئات کی مغفرت ہوتی ہے۔ دیکھو روایت حاکم اور نسائی۔

۳: ایک سو بار درُود پڑھنے والا ایمان کامل کی شہادت اور صالحین کی رفعت پالیتا ہے۔ اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ اس کو نفاق سے برأت کی سند عطا فرما دیتا ہے۔ دیکھو طبرانی حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

۴۔ درُود کے ذریعے مومن مقربین کی صف میں شمار ہوتا ہے۔ روایت احمد حدیث عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ۔

۵۔ ثواب کے لحاظ سے درُود کا مقام غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ہے۔ دیکھو ترغیب منذری حدیث براء۔

۶۔ درُود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ اور اطمینان قلب کا سبب ہے۔ دیکھو مسلم حدیث عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

۷۔ درُود پڑھنے والے کے ساتھ ہمیشہ ایک فرشتہ رحمت ہے جس کا کام ہی یہ ہے۔ کہ جب تک درُود پڑھنے والا درُود میں لگا رہے وہ حق سبحانہٗ سے اس کے لیے خیر اور سعادت کی بھیک مانگتا رہے۔ دیکھو ترغیب حدیث طلحہ رضی اللہ عنہ۔

۸۔ درُود کے ذریعے مومن کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ اور نسبت باطنی قائم رہتی ہے۔ کیونکہ ایک خاص فرشتہ اسکی درُود کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے لیے ہر آن مقرر رہتا ہے۔ دیکھو طبرانی حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ۔

۹۔ درُود پڑھنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلامی کے شرف سے ہمدوش ہوتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالذات خطاب کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے۔ حق سبحانہٗ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو درُود کا جواب دینے کے لیے قوت عطا فرماتا ہے۔ اور اس طرح گویا درُود پڑھنے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ مکالمے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ دیکھو احمد حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۱۰۔ درُود کے ذریعے ازالۂ غم، تفریج کرب، توسیع رزق اور گناہوں

کی تکفیر ہوتی ہے۔ دیکھو ترمذی حدیث ابیؓ۔

۱۱:۔ ایک ہزار بار درُود سے شرح صدر اور قلب میں نورِ ایمان نمایاں ہوکر تکثیر طاعت اور نیکیوں کی بہتات کی اللہ کی جانب سے توفیق ارزانی ہوتی ہے۔ دیکھو حدیث انسؓ۔

۱۲:۔ روزانہ درُود کا ورد گناہوں کی الائش کو دُور کرنے کا علاج ہے۔ دیکھو روایت ابی کاہلؓ۔

۱۳:۔ درُود صدقہ، احسان اور دوسری نیکیوں کی نیابت کرلیتا ہے۔ دیکھو روایت ابی سعید خدریؓ۔

۱۴:۔ جمعہ کے روز درُود حضورِ ملائکہ اور اجر و ثواب کے مضاعفہ کا باعث ہے۔ دیکھو روایت ابی الدرداءؓ۔

۱۵:۔ درُود کے ذریعے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوار اور جنت میں ایک خصوصی مقام ملتا ہے۔ دیکھو روایت ابی امامۃؓ

۱۶:۔ درُود دعا کی قبولیت کا زینہ ہے۔ دیکھو طبرانی حدیث علیؓ۔

۱۷:۔ درُود اگر دعا میں ہو تو داعی کے لیے درُود خود مغفرت کی ضمانت ہے دیکھو مستدرک حاکم۔

۱۸:۔ درُود نہ پڑھنے والا سراپا نقصان اور گھاٹے کی آماجگاہ ہے دیکھو ترمذی حدیث ابی ہریرہؓ۔

۱۹:۔ درُود نہ پڑھنے والا روزِ قیامت حیرت و درماندگی کا شکار ہوگا دیکھو طبرانی حدیث حسین بن علیؓ۔

۲۰:۔ درُود نہ پڑھنے والا نہ صرف ذاتِ نبوّت سے بے وفا ہے۔ بلکہ اداءِ حقوقِ نبوّت سے روگرداں ہے۔ دیکھو نسائی حدیث حسینؓ۔

یہ اذکار میں درُود کی طاقت کا انداز کرنے کے لیے مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ درُود کی روحانی طاقت بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک ذوقی اور وجدانی

بات ہے ۔ وجدانیات کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا ہے ۔ اور کا پتہ نہیں مگر میں تو اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ

من لم یذق لم یدر
جس نے چکھا نہیں اس کو پتہ نہیں ۔

درُود کے پیمانے

درُود کے صیغے اگرچہ بہت ہیں لیکن مشہور محدث ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ ان تمام پیمانوں میں سب سے افضل، اعلیٰ اور اشرف وہ درود ہے جسے درُود ابراہیمی کہتے ہیں اور تشہد کے بعد نماز میں پڑھی جاتی ہے۔

شاہ عبدالحقؒ نے جذب القلوب کے آخر میں درُود کے بہت سے صیغے لکھے ہیں۔ صاحب دلائل الخیرات نے پوری کتاب درُود کے صیغوں ہی کے لیے تالیف کی ہے۔ اور اسے پڑھنا بزرگانِ دین کا معمول بھی رہا ہے۔

تلاوتِ قرآن

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام اذکار میں قرآن کی تلاوت سب سے افضل اور بزرگتر ذکر ہے (الاذکار صفحہ ۸۸) کیونکہ یہ کلام مولائے پاک کا کلام ہے۔

اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی قرآن کا حکم دوسرے اذکار سے مختلف ہے۔ دوسرے تمام اذکار میں ثواب اذکار پر ملتا ہے۔ لیکن قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی تلاوت میں صرف قرآن، قرآن کی آیات، قرآن کے جملوں اور قرآن کے لفظوں پر نہیں بلکہ اس کے حرفوں پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ارشاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قرآن کا ایک حرف بھی جو پڑھتا ہے، اس کے لیے ایک نیکی ہے۔ اور اللہ کے یہاں ایک نیکی دس گنا ہوتی ہے۔ میں الم کو ایک حرف نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی)

امام نووی نے لکھا ہے کہ دل کی بیماریوں کے لیے بطور دوا استعمال کرنے والی پانچ چیزوں میں سے ایک دوا تلاوتِ قرآن ہے۔ (الاذکار)

مدارج السالکین میں حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ۔

اللہ سبحانہٗ سے محبت پیدا کرنے کے اسباب و ذرائع دس ہیں۔ ایک غور و فکر کے ساتھ تلاوتِ قرآن۔ دوسرے فرائض کے بعد نوافل کے ذریعے تقرب۔ تیسرے ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کا ذکر۔ چوتھے اللہ کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دینا۔ پانچویں دل کے ذریعے اللہ پاک کے اسماء و صفات کا مطالعہ۔ چھٹے اللہ کے احسانات اور انعامات کا مشاہدہ۔ ساتویں سراپا دل کا اللہ کے سامنے جھک جانا۔ آٹھویں دعا و تلاوت کے وقت خلوت اختیار کرنا۔ نویں نیکوں اور صلحاء کے پاس رہنا دسویں ہر ایسی چیز سے بچ کر رہنا جو دل کو اللہ سے غافل کرنے والی ہو۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۲)

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت کی رُوح یہ ہے کہ پورے شوق اور پوری عظمت کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو اور قرآن کے مواعظ پر غور کرے اور اپنے اندر احکام پر طاعت کی امنگ

پیدا کرے۔ قرآن کے امثال وقصص کو اپنے لیے چراغ عبرت سمجھے۔ صفاتِ الٰہیہ پر تسبیح کرے۔ جنت اور رحمت کے موقعہ پر اللہ سے رحمت اور دوزخ اور غضب سے اللہ کے ساتھ پناہ مانگے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اور ایک دوسرے موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ ضروری ہے کہ تلاوت دلجمعی اور نشاط و سکون کے وقت میں کرے، آواز میں بھی خوش الحانی پیدا کرے۔ رونا اور رونا نہ آئے تو رونیوں جیسی صورت بنالے۔

تلاوتِ قرآن کے وقت رونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن الشخیر کے حوالے سے حدیث آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن شخیرؓ کہتے ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپؐ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی۔ جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال خشوع اور خضوع کی وجہ سے تھا۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ حالت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ہوتی تھی جب اللہ سبحانہ کی صفات جلال اور جمال دونوں کا ایک دم ظہور ہوتا تھا۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی یہ کیفیت مشائخ سلوک کو ہی وراثت میں ملی ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان اور صالحین کا شعار ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں متعدد جگہ اس کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ الخ یعنی اللہ کا

کلام سُن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدے میں گر پڑتے اور اس کو یاد کر کے روتے ہیں ۔
اسی بنا پر علماءٗ کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیئے ۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ مریم پڑھ کر سجدہ کیا ۔ اور فرمایا ۔
ھذا السجود فاین البکاء ۔ یہ تو سجدہ ہوا رونا کہاں ۔
حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ ۔ اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالو ۔

تلاوت کی یہ روحانی کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ قرآن کو صاف اور واضح پڑھا جاتے ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے میں حروف واضح طور سے ظاہر ہوتے تھے ۔ چنانچہ ترمذی کی شمائل میں ہے کہ

حضرت یعلیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہؓ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی ۔ انہوں نے ایک ایک حرف کو علیحدہ صاف صاف پڑھ کر کیفیت بتائی ۔

قرآن کی سالگرہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ۔

مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ۔ ہدایت ہے ۔ واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل

سے جدا کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو
ضرور روزے رکھے اس کے۔

اگرچہ اِس آیت کا منطوق تو صرف یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے
چاہئیں۔ مگر اس آیت کے مفہوم اور مدلول میں یہ بھی داخل ہے۔ کہ رمضان
میں قرآن کی سالگرہ منانی چاہیئے۔ رمضان کی تعریف میں یہ بات جو کہی
گئی ہے کہ اِس ماہ میں قرآن اتارا گیا۔ اور پھر قرآن کی تعریف میں صفات
کی یہ داستان پیش کی گئی ہے۔

(الف) :۔ یہ لوگوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔
ب :۔ اس میں ہدایت کی واضح اور کھلی نشانیاں ہیں۔
ج :۔ یہ قرآن فرقان کی حیثیت لے کر آیا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ منشا الٰہی یہ ہے کہ رمضان میں روزوں
کے ساتھ قرآن کی بھی سالگرہ منائی جائے۔ جناب رسُول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلّم چونکہ مزاج شناس الوہیت تھے۔ اِس لیے آپؐ نے
اللہ پاک کے اس منشا کو معلوم کر لیا اور اس کے لیے آپؐ نے امت کے
سامنے قیامِ رمضان کی صوُرت میں قرآن کی سالگرہ کا محسوس پیمانۂ عمل
پیش فرمایا ــــــ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے محمد بن نصر
مروزی نے قیامِ رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ
ارشاد نقل کیا ہے۔

بلاشبہ رمضان ہی ایک مہینہ ہے جس کے روزے رکھنا اللہ
نے فرض کیے اور میں نے مسلمانوں کے لیے قیامِ رمضان کی
سنت قائم کی ہے۔ جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ رمضان
کے روزے اور اِس کا قیام کرے گا۔ تو وہ ایسا ہو گا۔ جیسے آج
ہی پیدا ہوا ہے۔ (قیامِ رمضان)

خود نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیام رمضان کا بے حد اہتمام تھا چنانچہ ابوداؤد، ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے حوالے سے یہ واقعہ آیا ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے روزے رکھے آپؐ نے سارے رمضان میں قیام نہیں کیا۔ رمضان کی ۲۳ر تاریخ ہوئی تو آپؐ نے با جماعت قیام رمضان فرمایا اور تہائی رات تک کیا۔ ۲۴ر کو آپ نے قیام نہیں کیا پھر ۲۵ر کو آپؐ نے لوگوں کے ساتھ قیام رمضان کیا اور اس میں نصف رات بیت گئی میں نے عرض کیا کاش یا رسول اللہ! آپ اور مزید قیام فرماتے آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ باجماعت پڑھ کر جب آدمی واپس ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے پوری رات ہی کا قیام شمار ہوتا ہے۔ ۲۶ر کو آپ نے قیام نہیں کیا لیکن ۲۷ر رمضان کو آپؐ نے اپنے گھر والوں کو اور عورتوں کو۔ لوگوں کو جمع کیا۔ اور اتنا طویل باجماعت قیام کیا کہ ہمیں سحری نہ ملنے کا اندیشہ ہوگیا۔ باقی تاریخوں میں آپ تشریف نہیں لائے۔

اس قدر اہتمام کے باوجود سارے رمضان میں قیام نہ کرنے کی وجہ بھی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔
چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ کے حوالے سے حدیث آئی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائیوں کا حجرہ بنایا۔ آپؐ نے اس میں کئی راتیں قیام رمضان کیا تاآنکہ لوگوں کا ہجوم ہوگیا۔ ایک رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی نہ دی۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ سو

گئے ہیں۔ کچھ کھنکارنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تمہارا رات کا کردار معلوم ہے اور خدا کرے کہ یہ کردار قائم رہے۔ میں اس لیے نہیں آیا کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جائے تو تم اسے نباہ نہ سکو اس لیے اے لوگو! تم اپنے گھروں میں پڑھو کیونکہ فرضوں کے علاوہ نماز کی بہترین جگہ گھر ہے۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فرضیت کا اندیشہ مذکورہ بالا آیت میں قرآن کی صفتوں کے اس امنڈتے ہوئے سیلاب سے تھا۔ ان صفتوں کا تقاضا تھا اور قرآن کے منہ پر بات تھی۔ کہ ایک لفظ کا اضافہ ہو جائے یعنی فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ میں ولیقمہ کا اضافہ ہو کر قیام رمضان فرض ہو جائے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا زمانہ داخلی خلفشار میں گذرا اور بالآخر جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منشاء الٰہی معلوم کر کے قیام رمضان کی طرح ڈالی تھی ایسے ہی اندیشۂ فرضیت ختم ہونے پر حضرت عمرؓ نے منشاء نبوت معلوم کر کے رمضان کی راتوں میں قیام رمضان کی جماعت کی پورا قرآن پڑھنے کی تعداد رکعات کی اور بعد میں تین وتر ہونے کی تا آنکہ تراویح کے نام سے اسے موسوم کرنے کی پوری اسکیم نافذ کر دی۔

تراویح قیام رمضان کو کہتے ہیں

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح قیام رمضان کو کہتے ہیں۔ یہ ترویحہ کی جمع فعالیل کے وزن پر ہے۔ عربی زبان میں جمع کا یہ زبان جمع کثرت ہے۔ ویسے تو ترویحہ لغت واحد کا اسم مرہ ہے۔ مگر تراویح میں لفظ ترویحہ

استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ امام چار رکعت کے بعد مقتدیوں کو آرام کا موقعہ دیتا ہے اس لیے ہر چہار رکعت کو ایک ترویحہ کہہ دیا گیا۔ اس لحاظ سے تراویح پانچ ترویحوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں ـــــــ علامہ محمد بن نصر مروزی نے یونس کے حوالے سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ، سعید بن ابی الحسن اور عمران بن العبدی کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

کانوا یصلون خمس ترا ویح (صفحہ ۹۲)

وہ پانچ ترویحے پڑھتے تھے ۔

کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع بھی کثرت۔ تین ترویحوں سے زائد ہوں تو جمع لائی جاسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تراویح کی تعداد پانچ ترویحہ یعنی بیس رکعات نہ ہوں تو پھر زبان اور ادب و لغت کے لحاظ سے صحابہ اور تابعین کبھی اس کو تراویح نہیں کہہ سکتے تھے۔ یہ غلطی تو معمولی سی عربی زبان سے شُدھ بُدھ رکھنے والا نہیں کر سکتا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف ایسی غلط بات کو منسوب کرنا بہت بڑی دلیری ہے ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں ہے

ایک سے زیادہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات تراویح کی کوئی تعیین ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور محدث زرکشی فرماتے ہیں ۔

الثابت فی الصحیح الصلاۃ من ذکر بالعدد (جلد ۲ صفحہ ۸)

صحیح روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح

کی کوئی تعداد ثابت نہیں ہے۔
حافظ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

وانہ صلی لیالی صلوٰۃ لم یذکر عددھا

جن راتوں میں حضور ﷺ نے تراویح پڑھی ہیں۔ ان میں تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
اور ملا علی قاری محدث فرماتے ہیں۔

لم یوقت رسول اللہ فی التراویح عددا معینا
(مرقات)

حضرت نے رکعات تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔
علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

فقصر الصلوٰۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین لم یرد بہ سنۃ (جلد ۳ صفحہ ۴۶)

تراویح کی کوئی تعداد حضور انور ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔
حضرت حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یوقت فیھا عددا (جلد ۱ صفحہ ۱۹۱)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔
ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

من ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلعم فقد اخطاء (صفحہ ۴۰۱)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعداد تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔

مشہور اہل حدیث علامہ محمد بن اسماعیل یمانی لکھتے ہیں۔

اما التراویح علی ما اعتید الآن فلم
یقع فی عصرہ صلی اللہ علیہ وسلم

(جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

آج کی متعارف تراویح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بالکل موجود نہ تھی۔

ایسے ہی دوسرے محدثین نے بھی تصریح کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتی طور پر صحیح سند سے تراویح کی کوئی تعداد ثابت نہیں ہے۔

تراویح خلفاء راشدین کی سنت ہے

مشہور اہل حدیث علامہ محمد بن اسماعیل الیمانی فرماتے ہیں کہ تراویح حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

انما ابتدعها عمرؓ فی خلافته وامر أبیًّا ان یجمع الناس (جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

تراویح کو حضرت عمرؓ نے نکالا ہے۔ اور ابی ابن کعب کو لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث

(جلد ۱ صفحہ ۱۹۱) فتاویٰ ابن تیمیہ۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابی بن کعب لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں ۔

فالقیام بعشرین ھو افضل وھو
الذی یعمل بہ اکثر المسلمین
جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ (فتاوی ابن تیمیہ)

بیس تراویح ہی افضل ہے اسی پر مسلمانوں کا عمل ہے ۔
مشہور فاضل اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے زیادہ وضاحت سے لکھا ہے کہ

فالحاصل انہ ما صح عنہ صلی اللہ
علیہ وسلم ذالک العدد وانما ھو
من سنن عمرؓ (ہدایۃ السائل صفحہ ۱۳۸)

مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیس کی تعداد ثابت نہیں بلکہ یہ حضرت عمرؓ کی سنت ہے ۔
ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ ——— ان اکابر محدثین کے نزدیک ۔
الف :۔ نماز تراویح باجماعت پورے رمضان کی راتوں میں ۔
ب :۔ رکعات کی بیس تعداد یا پانچ ترویحے ۔
ج :۔ تراویح میں ختم قرآن ۔
خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے اسناد و روایت کی دنیا میں حضورؐ سے ثابت نہیں ہے ۔ بلکہ یہ سب کچھ فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطابؓ کا خود ساختہ و پرداختہ ہے ۔

زمانہ خلافت فاروقی میں تراویح بیس رکعت میں

جیسا محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح کا آغاز اس موجودہ شکل میں حضرت عمرؓ نے کیا ہے بلکہ حافظ سیوطی اور علامہ نواب صدیق حسن خاں نے امام عسکری

کے حوالے سے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کا آغاز ۱۴؁ھ میں کیا ہے۔

اول من سن قیام رمضان عمر سنة اربعة عشر (مصابیح صفحہ ۴۲)

سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ۱۴؁ھ میں قیام رمضان کا طریقہ جاری کیا۔

ایسا ہی اِس پر بھی اتفاق ہے کہ رکعات تراویح کی تعداد زمانہ عمرؓ میں بیس تھی ـــــ آیئے اب حدیث کی کتابوں میں پڑھ لیجئے۔

مشہور محدث امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی، ترمذی اپنی کتاب سنن ترمذی میں فرماتے ہیں۔

اکثر اهل العلم علی ما روی عن علیؓ وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلعم عشرین رکعة۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۹۹)

اہل علم کی اکثریت حضرت عمرؓ اور علیؓ کی سنت کے مطابق بیس تراویح پر ہے۔

حدیث کی مشہور کتاب سنن کبریٰ امام بیہقی میں ہے۔

عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة۔

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

یہی روایت محمد بن نصر مروزی نے قیام لیل صفحہ ۹۱ میں اور مصابیح میں حافظ سیوطی نے صفحہ ۴۲ پر نقل کی ہے۔ ایک سے زیادہ حفاظ حدیث نے اِس

روایت کو صحیح کہا ہے۔ زمانہ عمرؓ میں بیس تراویح ہونے کا روائتی نقطۂ نظر سے آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔ محمد بن اسماعیل یمانی ہوں یا علامہ شوکانی نواب صدیق حسن خاں ہوں یا کوئی اور سب مانتے ہیں کہ زمانہ عمرؓ میں تراویح بیس ہی تھی۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

جمعهم عمر علی ابی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث

(جلد ۲ صفحہ ۴۰۱، فتاویٰ ابن تیمیہ)

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا۔ ابی لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

تراویح میں حضرت عمرؓ کی پیروی کیوں؟

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی کوئی تعداد ثابت نہیں تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ کے اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ـــــــ خلفاء راشدین اسلام میں ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں اور ان کی اس امتیازی شان کا خود قرآن عزیز نے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض الخ

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ بعد کو حاکم کرے گا ان کو ملک میں۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ سبحانہ جن کو خلافت عطا فرمائے گا ان کے

ہاتھوں اُس دین کی بنیادیں جمائے گا۔ جو اللہ سبحانہٗ کا پسندیدہ ہے۔ آیت کے الفاظ پڑھ لیجئے۔

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم

اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے

اِس میں دین کی نسبت خلفائے راشدین کی طرف کر کے اللہ نے اسے اپنا پسندیدہ بتایا ہے ——— اب آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ تراویح کا نظام دین سے ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس کا جو کچھ جیسا کچھ اور جتنا کچھ فاروقِ اعظمؓ نے قائم فرمایا ہے۔ وہ یقیناً اللہ سبحانہٗ کا پسندیدہ ہے اِس میں چوں وچرا ایمان کے خسارہ کے مترادف ہے۔ اِسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کو معیارِ حق بتائے ہوئے اِن کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفآء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

جو شخص تم میں سے میرے بعد رہے گا، بہت اختلافات دیکھے گا ایسے وقت میں میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت سے چمٹ جانا۔ اِسی سے وابستہ ہو جاؤ اسی کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ اور دیکھو دین میں بدعات سے بچ کر رہو کل نوایجاد

بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہ ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے معمولات سنت ہے اور اِس ارشادِ گرامی کے تحت امت کو اسے تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں۔

سنت اِس راہ کا نام ہے۔ جس پر چلا جائے اور یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عقائد اعمال اور اقوال کو شامل ہے یہی سنت کاملہ ہے۔ (جامع العلوم صفحہ ۱۹۱)

جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے اہل السنت والجماعت کی تعریف یوں کی ہے

مومن پر ضروری ہے کہ وہ اہل السنت والجماعت کی پیروی کرے۔ سنت سے مقصود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور جماعت سے صحابہ کرام کے وہ فیصلے جو خلفاء اربعہ نے اپنے زمانے میں کیئے۔

اِسی بنا پر حکیم الامت شاہ ولی اللہ رح نے خلفائے راشدین کا اسلام میں منصب ما دون التشریع اور ما فوق الاجتہاد بتایا ہے۔ اور آیت تمکین سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

ہر نمازے وزکوٰتے وامر معروفے و نہی منکرے کہ از ممکنان ظاہر شود محمود و محل رضا است (ازالۃ الخفاء جلد صفحہ ۶۲)

نماز اور زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جو طریقے ان لوگوں سے ظاہر ہوں جن کو تمکین دی گئی ہے۔ وہی محمود اور پسندیدہ ہیں۔

حدیث عائشہ رض سے تراویح پر استدلال اور اس کا جواب

شاید آپ یہ خلش محسوس کریں گے کہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رض

کی روایت میں تصریح آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث صحیح مسلم میں کئی طریقوں سے آئی ہے —

ایک طریق یہ ہے۔

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ ہی رکعات ہوتی تھی۔ پہلے آپ چار پڑھتے تھے جن کی خوبصورتی اور لمبائی بیان سے باہر ہے۔ پھر اسی طرح چار رکعت اور پڑھتے پھر آپ تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ رمضان اور غیر رمضان میں نو رکعت کھڑے ہو کر مع وتر پڑھتے تھے۔

ایک اور طریق میں ہے۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی فرمایا آپ تیرہ رکعت پڑھتے۔ پھر آٹھ رکعت پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے۔ پھر دو رکعت وتروں کے بعد بیٹھ کر پڑھتے۔ پھر اذان اور تکبیر کے درمیان دو سنت فجر پڑھتے۔

ایک اور طریق میں ہے۔

ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں صرف تیرہ رکعت ہوتی۔ ان میں سنتِ فجر بھی تھیں۔

غور فرمائیے سب روایات میں پوچھنے والا ابو سلمہ ہے اور جواب دینے والی ام المومنین ہیں۔ اور سوال بھی سب روایات میں ایک ہی ہے۔ لیکن جوابات مختلف ہیں۔ کہیں صرف نو کہیں صرف گیارہ۔ کہیں سنتِ فجر کو ڈال کر بندرہ اور کہیں سنتِ فجر کو ڈال تیرہ بتایا ہے۔ اس لیے اس روایت کی رو سے یہ متعین نہیں ہو سکتا کہ حضرت عائشہ رضؓ کا تعداد رکعات کے بارے میں حتمی جواب کیا ہے؟ اور اگر بغور اس روایت کا مطالعہ کیا جائے اور اس کو تراویح کی بنیاد قرار دیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ تراویح کا وقت بعد نماز عشاء نہیں بلکہ آخر رات ہے کیونکہ اس میں بعد میں سنت فجر کا بھی ذکر ہے۔

۲۔ اس کے پڑھنے کی جگہ مسجد نہیں بلکہ گھر ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ نماز تراویح گھر میں ادا کی جائے۔

۳۔ اس حدیث کی رو سے تراویح دو دو رکعت نہیں بلکہ چار چار ہونی چاہئیں۔

۴۔ اس حدیث کی رُو سے رمضان اور غیر رمضان میں وتر تین رکعت ہیں۔

۵۔ اس حدیث کی رُو سے تراویح میں جماعت خلافِ سنت ہے۔

۶۔ اس حدیث کی وجہ سے تراویح سو کر اُٹھ کے پڑھنا چاہیئے۔

اس بنا پر محققین کی رائے میں یہ حدیث تراویح اور قیامِ رمضان سے متعلق نہیں بلکہ صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے بارے میں ہے۔ اور اس سے حتمی

تہجد کا بھی آٹھ ہونا مقرر نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو تراویح کے ذکر کا بھی تعلق نہیں ہے ـــــــ صلوٰۃ اللیل کے نفلی معنے رات کی نماز کے ہیں۔ اس سے مراد تہجد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بغرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے ۔ وہی پوچھنا مقصود ہے۔ اسی کا حضرت عائشہ رضہ نے جواب دیا ہے۔

گیارہ کی روایتِ مؤطا اور اس کا صحیح محمل

یہاں یہ غلطی بھی ہوتی ہے کہ مؤطا امام مالک میں بحوالہ محمد بن یوسف زمانۂ عمر رضہ میں بھی گیارہ رکعت کا تذکرہ ہے۔ پوری روایت یوں ہے کہ

حضرت عمر رضہ نے حضرت ابیّ بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں ۔ الخ

دراصل سائب بن یزید کے دو شاگرد ہیں۔ ایک محمد بن یوسف دوسرے یزید بن خصیفہ۔ اور دونوں امام مالک کے استاد ہیں محمد بن یوسف سے صرف گیارہ ہی کی تعداد نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرہ اور اکیس کی تعداد بھی آئی ہے ۔ مگر یزید بن خصیفہ کی تمام روایات میں صرف ایک ہی تعداد مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تفصیل یوں بتائی ہے کہ محمد ابن یوسف کی مؤطا والی روایت میں تعداد گیارہ رکعت ہے۔ محمد بن یوسف کی محمد بن نصر صاحب قیام رمضان والی روایت میں بحوالہ محمد بن اسحاق تیرہ رکعت ہے۔ محمد بن یوسف کی مصنف عبدالرزاق والی روائت میں تعداد اکیس ہے ۔

حافظ صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ محمد بن یوسف کی روایت میں اختلاف ہے اور اختلاف اضطراب کی علامت ہے۔ لہٰذا محمد بن یوسف کی روایت محدثانہ نقطۂ نظر سے قابلِ اعتبار نہیں ہے ۔

برخلاف یزید بن خصیفہ کی روایت کے کہ تمام روایات میں بیس ہی کی تعداد مذکور ہے۔ حتیٰ کہ خود ان سے امام مالک نے جو روایت کی ہے اس میں

بھی تعداد بیس رکعات ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ روایت نقل کی ہے۔

روی مالک من طریق یزید بن خصیفۃ
عن السائب بن یزید عشرین رکعۃ
(فتح الباری)

امام مالک نے بحوالہ یزید بن خصیفہ سائب سے بیس رکعات روایت کی ہیں۔
اس تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح با جماعت مساجد میں عشار کی نماز کے بعد اور بیس رکعات خلفائے راشدین کی سنت ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔
صحابہ کرام نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ مسجد میں با جماعت کا۔ شروع رات میں ادائیگی کا اور بیس رکعات کا۔
(حجۃ اللہ البالغہ ملخصاً)

اسماءِ حسنیٰ[۱۰]

دُوسرے اذکار کے ساتھ اسماءِ حسنیٰ یعنی اللہ پاک کے نام ہائے گرامی بھی ہیں۔ قرآن میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا

اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں تم اس کو ان کے ذریعے پکارو۔
اس آیت میں اللہ پاک نے یہ باتیں بتائی ہیں کہ۔
الف:۔ اللہ پاک کے ایک سے زیادہ اچھے نام ہیں۔
ب:۔ ان اچھے ناموں سے اللہ پاک کو پکارنا چاہیئے۔

اچھے ناموں سے اللہ پاک کو پکارنے کی صورتیں یہ ہیں ــــــ ان ناموں سے اللہ پاک کی ثنا و تحمید کی جائے ــــــ ان ناموں کے ذریعے اللہ کی جناب میں اپنی حاجات کی بھیک مانگی جائے اور جس ضرورت کے مطابق جو نام ہو۔ اِس حاجت میں اللہ پاک کو اِسی نام سے پکارا جائے۔ مثلاً مغفرت کے لیے غفار، غفور۔ رحمت کے لیے رحمان، رحیم اور رزق کے لیے رزاق وغیرہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور حدیث کی دُوسری کتابوں میں ان ناموں کی تعداد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ننانوے بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ

من احصاها دخل الجنة

جو شخص ان کا احصار کرے گا۔ وُہ جنت میں جائیگا۔

احصار کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے اِس کے معنے حفظ اور زبانی یاد کرنے کے کئے ہیں۔ بعض علماء نے اِس کے معنے پڑھنا۔ ایمان لانا، معانی جاننا اور معانی پر عمل کرنا کئے ہیں ــــــ یہ اسماء صفاتی جنہیں اسماء حسنیٰ بھی کہتے ہیں۔ اکثر قرآن حکیم میں بعینہٖ آئے ہیں۔ اور جو قرآن میں بعینہٖ نہیں ہیں۔ ان کے مادے اور مشتقات قرآن میں مذکور ہیں

یہاں ہم سنن ترمذی سے اللہ کے ننانوے نام نقل کرتے ہیں۔
اَللّٰہُ ذات واجب الوجود۔ اَلرَّحْمٰنُ نہایت رحم والا۔
اَلرَّحِیْمُ نہایت مہربان۔ اَلْمَلِکُ بادشاہ حقیقی۔
اَلْقُدُّوْسُ تمام عیبوں سے پاک۔ اَلسَّلَامُ تمام نقصانات سے محفوظ۔ اَلْمُؤْمِنُ امن دینے والا اَلْمُھَیْمِنُ نگہبان اَلْعَزِیْزُ غالب۔ اَلْجَبَّارُ زبردست۔
اَلْمُتَکَبِّرُ عظمت و بزرگی والا۔ اَلْخَالِقُ پیدا کرنے والا۔
اَلْبَارِئُ ہر چیز کا موجد۔ اَلْمُصَوِّرُ صورت بنانے والا۔

اَلْغَفَّارُ بہت بخشنے والا ۔ اَلْقَھَّارُ زبردست ۔
اَلْوَھَّابُ بہت دینے والا ۔ اَلرَّزَّاقُ روزی پہنچانے والا ۔
اَلْفَتَّاحُ مشکل کشا ۔ اَلْعَلِیْمُ بہت جاننے والا ۔
اَلْقَابِضُ روک دینے والا ۔ اَلْبَاسِطُ ہر چیز کا
کھولنے والا ۔ اَلْخَافِضُ پست کرنیوالا ۔ اَلرَّافِعُ
بلند کرنے والا ۔ اَلْمُعِزُّ عزت دینے والا ۔ اَلْمُذِلُّ
ذلیل کرنے والا ۔ اَلسَّمِیْعُ بہت سننے والا ۔
اَلْبَصِیْرُ بہت دیکھنے والا ۔ اَلْحَکَمُ
مخلوقات کا حاکم ۔ اَلْعَدْلُ منصف ۔ اَللَّطِیْفُ
باریک بین ۔ اَلْخَبِیْرُ آگاہ ۔ اَلْحَلِیْمُ
نہایت بردبار ۔ اَلْعَظِیْمُ بزرگ و برتر ۔ اَلْغَفُوْرُ
بہت بخشنے والا ۔ اَلشَّکُوْرُ بڑا قدر شناس ۔ اَلْعَلِیُّ
بہت اونچا ۔ اَلْکَبِیْرُ بڑا بزرگ ۔ اَلْحَفِیْظُ
نگہبان ۔ اَلْمُقِیْتُ مخلوقات کو روزی پہنچانے والا ۔
اَلْحَسِیْبُ بڑا حساب لینے والا ۔ اَلْجَلِیْلُ
بڑا بزرگ قدر ۔ اَلْکَرِیْمُ بڑا سخی ۔ اَلرَّقِیْبُ
بڑا نگہبان ۔ اَلْمُجِیْبُ دُعا قبول کرنے والا ۔ اَلْوَاسِعُ
بڑی وسعت والا ۔ اَلْحَکِیْمُ بڑی حکمت والا ۔
اَلْوَدُوْدُ بڑی محبّت رکھنے والا ۔ اَلْمَجِیْدُ ۔ بڑی
شان والا ۔ اَلْبَاعِثُ مردوں کو مرنے کے بعد کھڑا
کرنے والا ۔ اَلشَّھِیْدُ ہر جگہ موجود ۔ اَلْحَقُّ
برحق ۔ اَلْوَکِیْلُ کارساز ۔ اَلْقَوِیُّ بڑا زور والا ۔
اَلْمَتِیْنُ ستوار ۔ اَلْوَلِیُّ دوست ۔

اَلْحَمِیْدُ تعریف کے لائق ۔ اَلْمُحْصِیْ ہر چیز کا
گننے والا ۔ اَلْمُبْدِیُٔ ابتداءً پیدا کرنے والا۔ اَلْمُعِیْدُ
لوٹانے والا ۔ اَلْمُحْیِیْ زندہ رکھنے والا۔ اَلْمُمِیْتُ
موت دینے والا۔ اَلْحَیُّ زندہ ۔ اَلْقَیُّوْمُ ہمیشہ قائم
رہنے والا ۔ اَلْوَاجِدُ بڑا غنی۔ اَلْمَاجِدُ بزرگی
والا۔ اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ اکیلا۔ اَلصَّمَدُ
بڑا بے نیاز۔ اَلْقَادِرُ قدرت والا۔ اَلْمُقْتَدِرُ
قدرت ظاہر کرنے والا۔ اَلْمُقَدِّمُ سبقت دینے والا۔
اَلْمُؤَخِّرُ پیچھے رکھنے والا۔ اَلْاَوَّلُ سب سے پہلا۔
اَلْاٰخِرُ سب سے پچھلا۔ اَلظَّاهِرُ آشکارا۔ اَلْبَاطِنُ
پوشیدہ۔ اَلْوَالِیْ بڑا منتظم۔ اَلْمُتَعَالِیْ بہت
بلند۔ اَلْبَرُّ بڑا سلوک کرنے والا۔ اَلتَّوَّابُ توبہ
قبول کرنیوالا ۔ اَلْمُنْتَقِمُ بدلہ لینے والا۔ اَلْعَفُوُّ
بڑی درگزر کرنے والا ۔ اَلرَّءُوْفُ بہت شفقت کرنیوالا
مَالِكُ الْمُلْكِ ملک کا مالک۔ ذُوالْجَلَالِ وَ
الْاِکْرَامِ بڑی بزرگی و عزت والا۔ اَلْمُقْسِطُ
عادل۔ اَلْجَامِعُ جمع کرنے والا۔ اَلْغَنِیُّ بے پرواہ۔
اَلْمُغْنِیْ بے پرواہ کرنیوالا۔ اَلْمَانِعُ روکنے والا۔ اَلضَّارُّ
بڑا ضرر پہنچانے والا۔ اَلنَّافِعُ بڑا نفع پہنچانے والا۔ اَلنُّوْرُ
روشن کرنیوالا۔ اَلْهَادِیْ راہ دکھانے والا۔ اَلْبَدِیْعُ
موجد۔ اَلْبَاقِیْ ہمیشہ باقی رہنے والا ۔ اَلْوَارِثُ فنائے
موجودات کے بعد باقی رہنے والا۔ اَلرَّشِیْدُ راست
اَلصَّبُوْرُ بڑا صبر والا۔

استعاذہ

عربی زبان میں عوذ، عیاذ اور اس سے جتنے الفاظ بھی آتے ہیں سب کے ملے جلے معنے پناہ، آسرے، سہارے، ڈھاسنے، حفاظت، نگرانی اور بچاؤ کے ہیں ـــــ اور اس کی معنوی رُوح یہ ہے کہ کسی سے ڈر کر بھاگنا اور بھاگ کر ایسے کی پناہ میں آنا جو بچالے۔ اسی بنا پر جس کی پناہ لی جائے جسے آسرا اور سہارا تجویز کیا جائے اسے معاذ کہتے ہیں۔

معاذ صرف اللہ سبحانہٗ کی ذات گرامی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کا آسرا، سہارا اور پناہ جائز نہیں ہے۔ اسی کی ذاتِ اقدس عاصم، حافظ اور مانع ہے۔ ـــــ زمانۂ جاہلیت میں عرب میں یہ وبا پھیلی ہوئی تھی کہ جنوں کے نام کی نذر نیاز کرتے، ان کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے۔ اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو یوں استعاذہ کرتے۔

أَعُوذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِي مِنْ شَرِّ سُفَهَاءِ قَوْمِهٖ

میں اس وادی میں جنوں کے سردار کی پناہ میں آتا ہوں۔ اس کی قوم کے بیوقوف جنوں کی بُرائی سے۔

قرآن نے یہ کہہ کر اس شرک کی جڑ کاٹ دی۔

أَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا

یہ کہ کتنے تھے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر پر چڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی معاذ نہیں ـــــ اسی بنا

پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز کے لیے ہمیشہ اللہ سبحانہٗ کی دہائی دیتے۔ ہر عمل، ہر حالت میں اسی کے سہارے پیمانے بناتے۔

استعاذے کی اصلی رُوح یہ ہے کہ ناگواریوں، پریشانیوں، بیقراریوں میں صرف ایک کی دہائی دے۔ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند استعاذے نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں ـــــــ صحیحین میں ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا اور اکثر آپؐ سے یہ سنتا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں رنج وغم سے اور عاجزی اور سستی سے اور بزدلی اور بخل سے اور قرض کے بوجھ اور لوگوں کے دباؤ سے۔

رنج و پریشانی، بے چارگی، سستی، کمزوری، کنجوسی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے دباؤ جیسے ناگوار حالات میں صرف اللہ کی دہائی۔ اسی کا آسرا طلب کرنا چاہیئے۔

ایک اور استعاذہ صحیح مسلم میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَمِنْ جَمِیْعِ سَخَطِكَ (الوابل الصیب صفحہ ۱۹۵)

اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے چھٹ جانے سے اور تیری عافیت کے ہٹ جانے سے اور تیری

سزا کے اچانک آجانے سے اور تیرے ہر غضب سے۔
خوشحالی کا زوال، صحت اور تندرستی کا بیماری میں بدلنا اچانک تنگ حالی یا بدلی کا آجانا کس قدر خطرناک احوال ہیں، اور عرب معاشرے میں لوگ ان ہی احوال کی ناخوشگواری پر اللہ کی مخلوق کو پکارتے، نذریں دیتے۔ چڑھاوے چڑھاتے، سروں پر مخلوق کے نام کی چوٹیاں رکھتے۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے امت کو بتایا کہ ان سب احوال میں بس اللہ ہی کی ذات سہارا ہے۔

ایک اور حدیث میں یہ استعاذہ آیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَاقَةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ

اے اللہ میں فقر وفاقہ، محتاج وذلت اور ظالم یا مظلوم بننے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

یا در کھو تنگدستی اور محتاجی کا خواہ کیسا ہی اندیشہ ہو۔ لگی ہوئی دوکان اور جمے ہوئے کاروبار میں کمی چاہے کیسی ہی یقینی ہو۔ اور سم چشموں میں ناک کٹنے اور ذلیل ہونے کے چاہے کتنے ہی اسباب ہو۔ مگر کسی حال میں اللہ کا آسرا، اس کا بھروسہ اور اعتبار رہا تھ سے نہ دو۔ نہ دوکان شروع کرنے پر اللہ کے سوا کسی کی خوشنودی نہ مکان بنانے پر اللہ کے سوا کسی کی نذر۔ نہ بارات چلنے پر کسی دربار کی سلامی۔ سمندر کی موجوں میں اور اقتدار کی خونخوار فوجوں میں ہر جگہ نصب العین یہ ہو کہ معاذ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ احادیث میں استعاذے بہت آئے ہیں۔ مگر سب سے افضل استعاذہ قرآن کی دو سورتیں معوذتین ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ
حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم کو سب سے افضل استعاذہ بتاؤں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ
حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ کو حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد یہ دونوں سورتیں پڑھ لیا کرو۔
(ترمذی)



حرفِ آخر

اللہ سبحانہٗ کی بے پایاں عنایت و فضل سے اذکار کی حد تک اِس کی اور اس کے رسُول کی بات کو اپنی سمجھ اور اپنے عِلم کے مطابق آپ تک پہنچانے کا میرا فرض ختم ہوگیا۔ اب جو کچھ باقی ہے وُہ آپ کا فرض ہے۔ اور یہ اللہ کے قبضے میں ہے کہ وُہ آپ کو ادائے فرض کی توفیق دے۔ اور اس کے مندرجات پر اخلاص و احتساب کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے لیے دِلوں کے دروازے کھول دے۔

اس راہ میں میرا ایک یقین ہے جو آفتاب سے زیادہ روشن ہے مگر اِس کے اظہار سے زبان قاصر ہے۔ میرے دِل کی ایک آواز ہے۔ جو ضمیر کے کانوں سے سنتا ہوں مگر اِس کی مادی پکار سے عاجز ہوں ـــــــ فالحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہٖ محمدؐ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

محمد علی الصدیقی کان اللہ لہٗ

حال مقیم محلہ مولویاں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر

۲۲ رمضان المبارک مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء بوقت دو بجے شب